اس ناول میں شامل ہے ایڈونچر ٹائمز اسکول میگزین کا شمارہ نمبر 12 بالکل مفت

محمود، فاروق، فرزانہ

اور انسپکٹر جمشید سیریز 745

مجرم کا چہرہ



اشتیاق احمد

Atlantis Publications

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

مجرم کا چہرہ

اشتیاق احمد

اٹلانٹس پبلیکیشنز

ایک حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو آدمی صبر کی کوشش کرے...... اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرتا ہے...... اور صبر سے بہتر اور وسیع کوئی عطیہ نہیں......''

☆☆☆

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

☆ یہ وقت عبادت کا تو نہیں۔
☆ آپ کو اسکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔
☆ آپ نے کسی کو وقت تو دے نہیں رکھا۔
☆ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے عبادت اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم! یہ مجرم کا چہرہ ہے... لیکن آپ اسے پہچان نہیں پائیں گے...

مجرم تو سات پردوں میں چھپا تھا... آیا بھی اعلانیہ تھا... اس کے بارے میں مشہور تھا جہاں جاتا ہے، دھوم دھڑکے سے جاتا ہے اور اپنا کام کر کے بھی لوٹتا ہے... کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کیوں آیا تھا اور کیا کرنے کے لیے آیا تھا...

ایسے مجرم کی آمد جب آپ کے کرداروں کے ملک میں ہو تو پھر ظاہر ہے، ایک دلچسپ صورت حال پیش آ کر رہے گی... اس دلچسپ صورتِ حال سے نپٹنے کے لیے آپ کو یہ ناول پڑھنا پڑے گا... اب یہ اور بات ہے کہ ناول آپ کو نئی دنیا کی سیر کرا دے اور آپ اس کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر مجرم کو بھول جائیں اور مجرم اپنا کام کر کے چلتا بنے اور آپ ہاتھ ملتے رہ جائیں کہ ہائیں... یہ کیا ہوا...

اب اگر اس ناول کے آخر میں آپ واقعی یہ کہہ اٹھیں کہ ہائیں... یہ کیا ہوا؟ تو میں خیال کروں کہ میرا خیال درست تھا... ورنہ آپ خیال کیجیے گا کہ میرا خیال غلط تھا۔ غلط اور درست کے چکر میں پڑنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ آپ ناول شروع کر دیں اور اس میں گم ہو کر رہ جائیں... ورنہ پھر ہوگا یہ کہ ناول آپ میں گم ہو جائے گا اور آپ اسے تلاش کرتے پھریں گے... ایسا وقت آنے سے پہلے ہی آپ ناول کو فارغ کر دیں... فارغ ایسا کے مزے لیں...

اور ہاں..... ایک خوشخبری..... اور وہ یہ کہ اب آپ مجھے اٹلانٹس پبلیکیشنز کے پتے پر خط لکھ سکتے ہیں اور ای میل بھی کر سکتے ہیں اور میرے ہاتھ کے لکھے ہوئے جواب بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس ماہ سے اشتیاق احمد ریڈرز کلب کے طریقہ کار میں بھی تبدیلی کی جا رہی ہے۔ اب صرف اُن قارئین کے نام اس فہرست میں شامل کیے جائیں گے جو اٹلانٹس پبلیکیشنز سے براہِ راست ناول منگوائیں گے..... یا پھر اٹلانٹس پبلیکیشنز کے پتے پر خط لکھیں گے اور ای میل کریں گے۔ اب اٹلانٹس پبلیکیشنز سے میرے ناول زبردست باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں اور دوسرا ادارہ اس دوڑ سے دستبردار ہو گیا ہے۔ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ اٹلانٹس پبلیکیشنز میرے اپنے ذاتی ادارے کی طرح ہے۔ اس میں بہت سے وہ سلسلے بھی آج تک قائم ہیں جو میں نے ستائیس برس قبل شروع کیے تھے..... یعنی آپ کے خطوط کی اشاعت وغیرہ۔ جبکہ دوسرے ادارے کے ناول میں اضافی دلچسپیاں نہیں ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ اٹلانٹس پبلیکیشنز کو زیادہ سے زیادہ خط لکھیں۔ ایڈونچر ٹائمز میں اپنی مزیدار تحریریں وغیرہ زیادہ سے زیادہ بھیجیے۔ اور مجھے اٹلانٹس کے پتے پر خط لکھ کر اپنی رائے سے زیادہ سے زیادہ آگاہ کرتے رہیے.....

ان اوٹ پٹانگ دو باتوں سے تو آپ بغیر دو باتیں بھلے... کیا خیال ہے آپ کا... آپ یقیناً کہہ اٹھیں گے... بالکل ٹھیک... ہمارا وہی خیال ہے... جو آپ کا ہے... تو پھر بسم اللہ کیجیے۔



زپاٹا

فون کی گھنٹی بجی۔ تینوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا...

''اس گھنٹی سے خطرے کی بو ٹپک رہی ہے۔'' فاروق کی آواز سے پریشانی جھلک اٹھی۔

''لگتا ہے... تمہیں نزلہ ہو گیا ہے۔'' محمود نے منہ بنایا۔

''لیکن فون کی گھنٹی سے نزلے کا کیا تعلق؟'' فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''حد ہو گئی... بیگم... ذرا دیکھنا... کس کا فون ہے...'' انسپکٹر جمشید جھلا اٹھے۔

وہ اس وقت شام کی چائے پی رہے تھے۔ فون کے نزدیک بیگم جمشید تھیں۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے سیٹ پر نظر ڈالی اور پھر چونک کر بولیں:

''آئی جی صاحب کا فون ہے۔''

"دیکھا... میں نے کیا کہا تھا۔" فاروق فوراً بولا۔

"آئی جی صاحب کا فون آنے کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی خطرہ ہمیں آواز دے رہا ہے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جانے کا پروگرام ہے کیا۔" فاروق بوکھلا اٹھا۔

"دیکھا محمود... تمہیں آدم خور کہہ رہا ہے۔"

"دیکھا نہیں... سنا۔" محمود نے منہ بنایا۔

دوسری طرف انہوں نے انسپکٹر جمشید کو کہتے سنا:

"جی بہتر سر... ابھی حاضر ہوتے ہیں۔"

فون بند کر کے وہ ان کی طرف مڑے:

"ہمیں ابھی اور اسی وقت آئی جی صاحب کے دفتر پہنچنا ہے... آئی جی صاحب پروفیسر صاحب اور خان رحمان کو پہلے ہی فون کر چکے ہیں... آؤ چلیں۔"

"مطلب یہ کہ کوئی فوری نوعیت کا معاملہ پیش آ گیا ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"ہاں! یہی کہا جا سکتا ہے۔"

پھر وہ آندھی اور طوفان کی طرح گاڑی چلاتے دفتر پہنچے... عین اس وقت خان رحمان کی گاڑی وہاں آ کر رکی... لیکن ابھی پروفیسر صاحب نہیں پہنچے تھے... ان کا فاصلہ زیادہ تھا... یوں بھی وہ اس

قدر تیز کار چلانے کے عادی نہیں تھے... انہوں نے آئی جی صاحب کے دفتر کا رخ کیا... وہ اندر داخل ہوئے اور ایک ساتھ بولے:

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام... آیئے... تشریف رکھیے... اوہو... ابھی پروفیسر صاحب نہیں پہنچے... خیر... ان کا انتظار کر لیتے ہیں۔"

"لگتا ہے... کوئی بہت سنگین معاملہ ہے۔"

"یہی بات ہے۔" آئی جی صاحب نے کہا... ان کے چہرے پر دور دور تک مسکراہٹ نظر نہ آئی جب کہ مسکرا کر بات کرنا ان کی عادت تھی... اور پھر پروفیسر صاحب اندر داخل ہوتے ہوئے بولے:

"لگتا ہے... یہاں میرا انتظار ہو رہا ہے۔"

"آپ کا اندازہ درست ہے... آیئے تشریف رکھیے... اور میں بات شروع کرتا ہوں۔ ہمارے ملک میں کسی بھی وقت... کسی پرواز سے بھی زپاٹا آنے والا ہے۔"

"جی... کیا فرمایا آپ نے... زپاٹا۔" انسپکٹر جمشید نے مارے حیرت کے کہا۔

"ہاں جمشید... تم جانتے ہونا... زپاٹا کون ہے۔"

"میں نے اس کے بارے میں سنا ہے۔" انہوں نے سر ہلایا۔

"یہ بھی بتا دو... کیا سنا ہے؟"

"یہ کہ وہ دنیا کا بہت بڑا چلتا پرزہ ہے... کئی بڑی حکومتوں

سے اس کے تعلقات ہیں، ان ملکوں نے اسے بے شمار سہولتیں دے رکھی ہیں... ان ملکوں کے نزدیک اس کا بہت مقام ہے، ان کے لیے وہ بہت اہم آدمی ہے... ان کے علاوہ باقی ملک اس سے گھبراتے ہیں... اگر کسی ملک کو معلوم ہو جائے کہ وہ وہاں آ رہا ہے تو ملک کی حکومت گھبرا جاتی ہے... پریشان ہو جاتی ہے... اسے اپنے ملک میں آنے سے روک بھی نہیں سکتی، اس لیے کہ اس طرح وہ بڑے ملک بگڑ جاتے ہیں... تعلقات توڑنے کی دھمکی دینے لگتے ہیں، اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنے ملک میں آنے کی اجازت دیتے ہیں... یہ ہے زپاٹا کا مختصر سا تعارف سر..." یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے...

"تمہاری معلومات قابلِ تعریف ہیں جمشید... خوشی ہوئی... اب یہی شخص ہمارے ملک میں آ رہا ہے... ہم اسے آنے سے روک نہیں سکتے... اور یہ ہمارے ملک میں آئے... یہ بھی ہمارے لیے پسندیدہ بات نہیں ہے... لہٰذا اس معاملے کا حل صدر صاحب نے یہ نکالا ہے کہ اس کے پیچھے تمہیں لگایا جائے... یہ شخص جس ملک میں بھی جاتا ہے جمشید... وہاں اس کا کوئی خاص مقصد ہوتا ہے... اس مقصد کی یہ کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتا... حکومتیں اس کی لاکھ نگرانی کرا لیں، یہ اپنا کام نکال کر باعزت طریقے سے واپس لوٹ جاتا ہے... جب تک یہ اس ملک میں رہتا ہے... کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو پاتا کہ یہ کیا چاہتا ہے... کیوں آیا ہے... بڑی حکومتوں کو جواب دینے کا بس ایک ہی طریقہ ہے۔" یہاں تک کہہ کر

آئی جی صاحب خاموش ہو گئے۔

"اور وہ کیا سر؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"آج تک کوئی اس کا کوئی معمولی سا جرم بھی ثابت نہیں کر سکا... یہی وجہ ہے کہ وہ ہر ملک سے اپنا کام کر کے باعزت طریقے سے چلا جاتا ہے... تمہارا کام یہ ہونا چاہیے کہ اس کا کوئی جرم پکڑ لو اور اس کو ثابت بھی کر دو... اس صورت میں ہم اسے نہیں چھوڑیں گے... جب اس کے جرم کا پکا ثبوت ہمارے پاس ہوگا تو اس کے حمایتی کچھ نہیں کر سکیں گے۔"

"معاملہ اس طرح بھی حل نہیں ہوگا سر۔" انسپکٹر مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" آئی جی چونکے۔

"بڑی طاقتیں ہمارے پیش کردہ ثبوت کو نہیں مانیں گی... اسے کسی اور ہی طریقے سے گھیرا جائے گا۔"

"تب پھر یہ تم جانو... یہ تمہارا کام ہے... اس وقت تو ہماری حکومت بس یہ چاہتی ہے کہ وہ بچ کر نہ جانے پائے... دیکھو جمشید... اپنی نوعیت کا یہ واحد مجرم ہے... جو آنکھوں کے سامنے رہ کر سب کچھ کر جاتا ہے... اور کوئی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکا..."

"میں سمجھ گیا سر... آپ فکر نہ کریں... اس مرتبہ وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوگا... صرف ایک بات کی ضمانت آپ صدر صاحب سے لے لیں۔"

"کیا مطلب جمشید..." وہ گھبرا گئے۔

"مطلب یہ کہ کوئی کتنا زور لگائے، اس کی کتنی سفارش کرے... اسے چھوڑنے کا حکم نہیں دیں گے... ہاں یہ حکم اس صورت میں ضرور دیا جا سکتا ہے جب ہم اس کے خلاف کچھ ثابت نہ کر سکیں۔"

"اس صورت میں کوئی زور لگائے گا بھی کیوں؟"

"ہاں واقعی! یہ بھی ہے... خیر... میں صدر صاحب سے اس بارے میں بات کر لوں گا... تم فکر نہ کرو۔"

"اس کی تصاویر تو مل سکتی ہیں نا۔"

"ہاں بالکل... پوری فائل موجود ہے... اور میں جانتا تھا... تم تصاویر کی بات کرو گے... لہٰذا میں نے فائل ہی منگوالی تھی... یہ رہی... تم یہ اپنے پاس رکھ سکتے ہو... اس کی تصاویر کو غور سے دیکھ لینا... اور بھی معلومات اس میں سے مل جائیں گی..."

"کیا اس میں اس کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں سر۔"

"نہیں... اس سے کوئی انگلیوں کے نشانات نہیں لے سکا... اس کے لیے کوئی وجہ ضروری ہے... ہمیں کسی سلسلے میں اس پر شک ہو... اسے کسی جرم کے مقام پر دیکھا گیا ہو... اور وہاں سے انگلیوں کے نشانات ملے ہوں... تبھی اس کی انگلیوں کے نشانات لیے جا سکتے ہیں... بلاوجہ وہ نشانات دیتا نہیں۔"

"مطلب یہ کہ انگلیوں کے نشانات کے اعتبار سے یہ فائل مکمل

نہیں ہے۔"

"ہاں جمشید... تم یہ کہہ سکتے ہو... لیکن تم کسی بہانے اس کی انگلیوں کے نشانات لے سکتے ہو۔"

"میں اپنی یہ کوشش ضرور کروں گا... لیکن... ظاہر ہے... وہ کسی قیمت پر نشانات نہیں دے گا... آپ فکر نہ کریں... میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی... اور اسی لیے میں نے صدر صاحب کو تمہارا نام تجویز کیا تھا۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"ہاں جمشید... صدر صاحب نے پوچھا تھا... زپاٹا آ رہا ہے... اس کی ذمے داری کسے سونپی جائے... میں نے فوراً تمہارا نام لے دیا۔"

"کوئی بات نہیں سر... آپ فکر نہ کریں... زپاٹا سے ہمارے دو دو ہاتھ ہو کر رہیں گے... اور ہم کوشش کریں گے... وہ بچ کر نہ جا سکے۔"

"جونہی اس کی آمد کی اطلاع ملے گی... میں تمہیں فون کر دوں گا... یہ میری ذمے داری ہے... یوں بھی وہ چھپ کر تو آتا ہی نہیں... باقاعدہ اعلان کر کے آتا ہے... لہٰذا جب وہ اپنے ملک سے روانہ ہوگا... اسی وقت اخبارات اور ریڈیو خبریں نشر کر دیں گے اور ان سے بھی پہلے مجھ

تک اطلاعات پہنچیں گی۔''

''ہوں... ٹھیک ہے۔''

ایسے میں ان کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی... فاروق چونک اٹھا... ادھر صدر صاحب فون پر بات سن رہے تھے... پھر فون بند کرتے ہی انہوں نے کہا:

''اطلاع لیٹ ہوگئی... صرف آدھ گھنٹے بعد وہ جہاز سے ایئرپورٹ پر اُترے گا۔''

''اوہ... ارے باپ رے... تب پھر ہم چلے۔''

''ہاں ٹھیک ہے... مجھے افسوس ہے... آپ لوگوں کو افراتفری کے عالم میں جانا پڑ رہا ہے۔''

''آپ فکرمند نہ ہوں...''

اور پھر انہوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی... جلد ہی وہ خان رحمان کی بڑی گاڑی میں بیٹھے اُڑے جا رہے تھے... گاڑی خان رحمان چلا رہے تھے... اور انسپکٹر جمشید زپاٹا کی فائل کا بغور جائزہ لے رہے تھے... پھر جونہی وہ ایئرپورٹ پر پہنچے، انہیں اچانک رک جانا پڑا:

☆☆☆☆

عزت مآب

''آپ لوگ آگے نہیں جا سکتے۔'' ڈیوٹی پر موجود آفیسر نے کہا۔

''کیوں بھئی خیر تو ہے۔''

''ایک بہت اہم شخصیت آ رہی ہے... ان کی حفاظت کا مسئلہ ہے... لہٰذا کسی کو بھی آگے جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

''لیکن بہرحال... ہم تو جائیں گے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''کیا مطلب؟'' آفیسر کی بھنویں اوپر اٹھ گئیں۔

''مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔''

''اوہ... اوہ... اچھا... یہ آپ ہیں... خیر آپ جا سکتے ہیں۔'' اس نے زبردستی مسکرا کر کہا، گویا وہ انہیں پسند نہیں کرتا تھا اور یہ اجازت بھی اس نے نہ چاہتے ہوئے دی تھی۔

''ویسے اس شخصیت کا نام کیا ہے... جو آ رہے ہیں۔''

''مسٹر زپاٹا... انشارجہ کی خاص ہستی ہیں۔''

''لیکن اس کے لیے ہمیں اس قسم کے احکامات کب ہیں۔''

انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"ہم تو اپنے آفیسر کا حکم ماننے کے پابند ہیں... انہیں کیا احکامات ملے ہیں اور کیا نہیں، یہ ہمیں معلوم نہیں۔" اس نے بھی برا سا منہ بنایا۔

"اور آپ کے آفیسر کہاں ہیں اس وقت۔"

"وہ غیر ملکی مسافروں کی آمد والے حصے میں موجود ہیں۔"

"خوب! آپ کا شکریہ۔" انہوں نے کہا پھر اپنے ساتھیوں سے بولے:

"آؤ بھئی چلیں۔"

وہ اندر اس حصے میں آئے... جس میں پولیس آفیسر موجود تھے... جونہی وہ ان کے نزدیک پہنچے... پولیس آفیسر اور اس کے دونوں ماتحتوں کی پیشانیوں پر شکنیں ابھر آئیں:

"آپ... آپ لوگوں کو کس نے آنے کی اجازت دی۔"

"ڈیوٹی پر موجود آفیسر نے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن میں نے اسے ہدایات دیں تھیں کہ کوئی بھی آگے نہ آئے۔"

"میں نے اُسے اپنا نام بتا دیا تھا، اس لیے اس نے ہمیں نہیں روکا۔"

"اور آپ کا نام کیا ہے؟"

"خادم کو انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔"

"اوہ اچھا... آپ کیسے تشریف لائے؟"

"زپاٹا کے سلسلے میں۔" وہ مسکرائے۔

"ان کی حفاظت کی ذمے داری ہماری ہے... اور یہ کام ہم کریں گے... لہٰذا آپ تشریف لے جائیں۔"

"جی نہیں... آئی جی شیخ نثار احمد صاحب نے میری ڈیوٹی لگائی ہے۔"

"کیا مطلب... مسٹر زپاٹا کی حفاظت کا معاملہ آپ کے محکمے کا کس طرح ہو سکتا ہے..."

"اس سوال کا جواب آئی جی صاحب دے سکتے ہیں... مجھے تو جو حکم ملا ہے... اس کو پورا کرنے کے لیے آیا ہوں اور مہربانی فرما کر آپ میرے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں... آپ اپنا کام کریں... ہم اپنا کام کریں گے... میں جانتا ہوں... آپ ڈی ایس پی شوکت ظفر ہیں..."

"اچھی بات ہے... میں خود اس وقت آپ سے الجھنا نہیں چاہتا... اس لیے کہ مسٹر زپاٹا آیا ہی چاہتے ہیں... جہاز آ چکا ہے۔"

"شکریہ... یہ بات کافی حیرت انگیز ہے کہ مسٹر زپاٹا کو حفاظت کرانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔"

"آپ کو ان کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں... سنیے... وہ انشارجہ کی خاص شخصیت ہیں... ان کے بے شمار دشمن ہیں...

لہٰذا جس ملک میں بھی وہ جاتے ہیں، وہاں کی حکومت کو ان کی حفاظت کا مسئلہ پیش آ جاتا ہے... کیونکہ جس ملک میں بھی ان پر کوئی حملہ وغیرہ ہوا... انشارجہ کے تعلقات اس ملک سے خراب ہو جائیں گے۔''

''مسٹر زپاٹا ہمارے ملک میں آ کس لیے رہے ہیں۔''

''ان کا یہ دورہ خالص تفریحی قسم کا ہے... وہ حکومت انشارجہ کے باقاعدہ ملازم نہیں ہیں... لیکن حکومت کی نظروں میں ان کی بہت اہمیت ہے... اور حکومت انشارجہ ان سے خفیہ قسم کے کام لیتی رہتی ہے...''

''تب پھر ان کا یہ دورہ بھی کسی خفیہ کام کے سلسلے میں ہو سکتا ہے۔''

''یہ مجھے معلوم نہیں... ہمیں یہی بتایا گیا ہے کہ یہ دورہ ان کا خالص تفریحی دورہ ہے... ان کا ہمارے ملک میں قیام سات دن رہے گا... ان سات دنوں تک ان کی حفاظت کا کام میرے ذمے لگایا گیا ہے... یعنی میرا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ جہاں بھی جائیں... میں اپنے عملے کے ساتھ سائے کی طرح ان کے آس پاس رہوں... رات کو جب وہ اپنے ہوٹل میں چلے جائیں تو میں اپنے عملے کی باہر ڈیوٹی لگا کر اپنے گھر جاؤں۔''

''ہوں... میں...''

''اوہو... مسافروں کی آمد شروع ہو گئی... اب آپ جائیں... آپ کا کام... مجھے اپنا کام کرنے دیں۔'' یہ کہتے ہوئے

ڈی ایس پی شوکت ظفر وہاں سے آگے بڑھ گئے... ان کے دس کے قریب ماتحت بھی ان کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔

''اب ہم یہاں اپنا پروگرام کیسے جاری رکھ سکیں گے بھلا۔'' انسپکٹر جمشید نے الجھن کے عالم میں کہا۔

''شیخ صاحب سے بات کرو جمشید۔'' پروفیسر داؤد نے برا سا منہ بنایا۔

''ہوں... ٹھیک ہے...''

یہ کہہ کر انہوں نے آئی جی صاحب کے نمبر ملائے:

''ہاں جمشید... کیا بات ہے... آئے مسٹر زپاٹا''

''ابھی ابھی مسافروں کی آمد شروع ہوئی ہے سر... ہمارے لیے یہاں الجھن ہے سر... ڈی ایس پی شوکت ظفر صاحب کی مسٹر زپاٹا کے سلسلے میں یہاں ڈیوٹی لگائی گئی ہے... اور وہ ہمیں کسی صورت بھی دخل اندازی کی اجازت نہیں دے رہے... آپ جانتے ہیں سر... میں سرکاری اہل کاروں سے اُلجھنا بالکل پسند نہیں کرتا...''

''اوہ اچھا... مجھے نہیں معلوم تھا کہ سول پولیس کی بھی اس سلسلے میں ڈیوٹی لگائی جائے گی... میں ایس ایس پی شاہین اختر سے بات کر کے فون کرتا ہوں۔''

''جی بہتر!'' انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

ادھر انہوں نے ایک عجیب و غریب شکل و صورت کے غیر ملکی کو

آتے دیکھا... اس کے ہاتھ میں سانپ کی کھال والا بیگ تھا... اور وہ کافی خوفناک بیگ تھا... دروازے سے باہر آتے ہی اس نے ایک نظر چاروں طرف ڈالی... انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی بھی اسی کی طرف دیکھ رہے تھے... ایسے میں شوکت ظفر اس کی طرف بڑھے اور انگریزی میں بولے:

"کیا آپ مسٹر زپاٹا ہیں سر... معاف کیجیے گا۔"

"اوہ... نو... مسٹر زپاٹا پیچھے آ رہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ بھرپور انداز میں مسکرایا اور شوکت ظفر کے پاس سے گزرتا ہوا ان کی طرف آ گیا... کیونکہ وہ شوکت ظفر سے کچھ فاصلے پر تھے... انسپکٹر جمشید اس کی طرف بہت دلچسپی سے دیکھ رہے تھے... اچانک ان کے منہ سے نکلا:

"آپ کی تعریف۔ یور آئی ڈی پلیز....."

"تمام تعریفیں اس گاڈ کے لیے ہیں... جس نے اس ورلڈ کو بنایا۔" اس کا انداز مذاق اڑانے کا تھا۔

"میرا مطلب ہے... آپ کا نام؟"

"پہلے آپ اپنا نام بتائیں... اور یہ بھی بتائیں... کہ آپ میرا نام کیوں پوچھ رہے ہیں۔" اس نے خوش گوار موڈ میں کہا۔

"میرا تعلق خفیہ پولیس سے ہے... اور مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں... لہٰذا یہاں میری موجودگی پر حیرت نہیں ہونی چاہیے۔"

"اوہ ہاں... خیر... میرا نام ایوائیوا ہے۔"

"شکریہ مسٹر ایوائیوا... آپ ہمارے ملک میں کس غرض سے آئے ہیں اور آپ کا قیام یہاں کتنے دن تک رہے گا۔"

"میں ایک سیاح ہوں... آپ کو شاید یہ تو معلوم ہوگا کہ سیاح دوسرے ملکوں میں کس لیے جاتے ہیں۔"

"ہاں بالکل... کیا میں آپ کے بیگ کی تلاشی لے سکتا ہوں۔"

"اندر تلاشی ہو چکی ہے۔"

"میں اپنے طور پر تلاشی لینا پسند کرتا ہوں..."

"آپ کی مرضی... آپ تلاشی ضرور لے سکتے ہیں۔"

"شکریہ مسٹر ایویں ایویں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"میرا نام ایوائیوا ہے۔" اس نے فاروق کو گھورا۔

"مجھے افسوس ہے... میں بھول گیا تھا..."

انسپکٹر جمشید نے اس کے بیگ کی تلاشی لی... پھر بیگ اسے دیتے ہوئے بولے:

"آپ کا قیام کون سے ہوٹل میں ہے؟"

"ہوٹل شمورا میں۔"

"شکریہ... آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

"کیا آپ کا اطمینان ہو گیا۔"

"جی... ہاں... ہو گیا۔"

اور وہ آگے بڑھ گیا... اسی وقت انہوں نے ایک لمبے قد اور شان دار شخصیت کے مالک شخص کو آتے دیکھا... اس کے کندھے سے ایک سنہری بیگ لٹکا ہوا تھا اور آنکھوں پر سنہری شیشوں والی عینک تھی...

"مسٹر زپاتا۔" ڈی ایس پی شوکت ظفر نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"اوہ یس... اور آپ سر۔"

"خادم کو ڈی ایس پی شوکت ظفر کہتے ہیں۔"

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر... تو میری حفاظت پر آپ کو مقرر کیا گیا۔"

"جی ہاں... سات روز تک ہم آپ کے آس پاس رہیں گے۔"

"یہ جان کر بہت اطمینان ہوا اور خوشی ہوئی... آپ کا قیام کون سے ہوٹل میں ہے... ہم آپ کو اپنی گاڑی میں وہاں لے چلتے ہیں۔"

"نہیں... میں ٹیکسی سے جاؤں گا... آپ اپنی گاڑیوں میں پیچھے آیئے گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی..." ڈی ایس پی بولے۔

زپاتا آگے بڑھ آیا... ایسے میں انسپکٹر جمشید اس کے بالکل سامنے آ کھڑے ہوئے... زپاتا کے اُٹھتے قدم رک گئے... اس نے حیران ہو کر کہا:

"فرمایئے... آپ نے میرا راستہ کیوں روکا۔"

"یہ انسپکٹر جمشید ہیں سر... یہ ان کی عادت ہے۔"

"کیا مطلب... یہ انسپکٹر جمشید ہیں... اور یہ ان کی عادت ہے... میں سمجھا نہیں۔"

"ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا... ان کی خاص عادت ہے۔"

"میں اپنے محکمے کی طرف سے یہاں آیا ہوں... مجھے ہدایات ملی تھیں... ورنہ ہرگز ٹانگ نہ اڑاتا۔" انہوں نے پرسکون انداز میں کہا۔

"خیر... آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"آپ کے سامان کی تلاشی..."

"تلاشی وغیرہ سب کام اندر ہو چکے ہیں۔"

"میں اپنے طور پر تلاشی لوں گا۔"

"کیا میں تلاشی دینے پر مجبور ہوں؟" اس نے ڈی ایس پی شوکت ظفر کی طرف دیکھا۔

"مجھے معلوم نہیں... کہ انسپکٹر جمشید کو کیا ہدایات ہیں۔" شوکت ظفر نے کندھے اچکائے۔

"میں آپ سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ تلاشی دوں یا نہ دوں۔"

"میرے خیال میں تو تلاشی دینا بہتر رہے گا۔"

"اوکے... لیکن میں اپنی حکومت سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔"

''ضرور کیجیے گا۔'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

زپاتا نے سامان ان کے سامنے رکھ دیا... وہ تلاشی لینے لگے۔ اس دوران محمود، فاروق، فرزانہ، خان رحمان اور پروفیسر داؤد زپاتا کا جائزہ لے رہے تھے... اس کے سر کے بال سنہری تھے... آنکھوں کا رنگ وہ ابھی دیکھ نہیں سکے تھے... اس لیے کہ سنہری شیشے کا چشمہ آنکھوں پر تھا... اس کی ناک قدرے لمبی تھی اور ٹھوڑی میں گڑھا تھا... چہرہ بھی لمبوترا تھا... فرزانہ کا جی چاہا... وہ اس کی آنکھوں کا رنگ بھی دیکھ لے... چنانچہ وہ غیر محسوس طور پر اس سے نزدیک ہوگئی اور پھر اس کا ہاتھ اس طرح حرکت میں آیا جیسے اپنے بال درست کرنے لگی ہو... اس کے ساتھ ہی اس کا چشمہ نیچے گر گیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' زپاتا دہاڑا۔

''مجھے افسوس ہے... ہاتھ لگ گیا۔'' فرزانہ نے فوراً کہا... اور چشمہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا... اس نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے چشمہ لے لیا اور آنکھوں پر لگا لیا۔ تاہم وہ اتنی دیر میں دیکھ چکے تھے کہ اس کی آنکھیں بہت گہری نیلی تھیں... اس قدر گہری نیلی آنکھیں انہوں نے پہلی بار دیکھی تھیں۔

''یہ لیجیے اپنا سامان۔''

''ملا کچھ؟'' اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''ملنے کو تو بہت کچھ مل سکتا ہے... میں نے تلاشی ہی سرسری لی

ہے۔'' وہ مسکرا دیے۔

''کیا مطلب! اگر آپ تفصیلی تلاشی لیں تو اس بیگ میں سے بہت کچھ غیر قانونی چیزیں نکل سکتی ہیں... یہ کہنا چاہتے ہیں آپ؟''

''میں نے غیر قانونی نہیں کہا...'' وہ مسکرائے۔

''تب پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، کس قسم کی چیزیں مل سکتی ہیں اس بیگ میں سے۔'' اس کا لہجہ ناخوش گوار ہوگیا۔

''چند ایسی چیزیں جن پر کم از کم اعتراض ضرور ہو سکتا ہے... یا ان پر شک کیا جا سکتا ہے۔''

''میرا خیال ہے... ہم وقت ضائع کر رہے ہیں۔'' ڈی ایس پی شوکت ظفر نے جلدی سے کہا۔

''اوہ ہاں... واقعی... چلیے پھر... ویسے اگر انسپکٹر جمشید صاحب وہ چیزیں برآمد کرنے کا شوق رکھتے ہیں تو میں انہیں روکوں گا نہیں۔''

''میرا خیال ہے، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' شوکت ظفر بولے۔

''ٹھیک ہے... آئیے چلیں۔''

اور وہ آگے بڑھ گیا...

''یہ تو کچھ بھی نہ ہوا جمشید۔'' پروفیسر داؤد نے بُرا سا منہ بنایا۔

''آپ کیا چاہتے تھے... کیا ہونا چاہیے تھا۔''

''اس کے بیگ میں سے ایسی چیزیں مل جاتیں کہ ہم اسے گرفت

میں لے سکتے۔"

"یہ اتنا آسان کام نہیں پروفیسر صاحب... آپ یہ نہ بھولیں... کہ آج تک کوئی حکومت اس کے خلاف آج تک کوئی ثبوت حاصل نہیں کرسکی۔"

"وہ ہاں... لیکن جمشید... تم بھلا اس کے بیگ سے کیا برآمد کرسکتے تھے؟"

"اس کے بیگ میں کم از کم ایک بم بنانے کا سارا سامان موجود ہے۔"

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"جی ہاں... یہی بات ہے۔"

"تب پھر تم نے یہ بات اس کے سامنے کیوں نہ کہی۔"

"میں اسی مرحلے پر اسے گرفتار نہیں کرنا چاہتا... کیونکہ اس طرح ہم یہ نہیں جان سکیں گے کہ وہ کس لیے آیا ہے۔"

"لیکن جمشید! اس طرح ہمارے ملک کو یا کسی شخصیت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا... آیئے چلیں... ہمیں ابھی یہ بھی دیکھنا ہے کہ زپاٹا کہاں ٹھہرتا ہے۔"

وہ باہر نکل آئے... انہوں نے دیکھا... زپاٹا ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہا تھا... اس ٹیکسی کے پیچھے ڈی ایس پی شوکت ظفر کی گاڑی روانہ

ہوئی... اب وہ اپنی گاڑی میں چلے... جلد ہی وہ ایک عظیم الشان ہوٹل کے سامنے رکے... انہوں نے دیکھا... ہوٹل کا نام ساباط تھا... جلد ہی بیروں کی فوج زپاٹا کی طرف لپکی... انہوں نے اس کا سامان اٹھا لیا اور اسے ادب اور احترام کے انداز میں ہوٹل کے دروازے کی طرف لے چلے... ایسے میں ان کی نظر کپڑے کے ایک بڑے سے بینر پر پڑی... اس پر بہت بڑے حروف میں لکھا تھا:

"آج کی شام عزت مآب مسٹر زپاٹا کے نام، آج مسٹر زپاٹا کی آمد کی خوشی میں شام سات بجے ایک حیرت انگیز پروگرام پیش کیا جائے گا۔"

"آپ نے یہ اعلان پڑھا ابا جان۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں... پڑھا... ہم بھی یہ پروگرام دیکھیں گے۔"

"واہ جمشید... تم نے میرے منہ کی بات چھین لی۔" خان رحمان چہکے۔

"تو چھیننے کی نوبت کیوں آنے دی خان رحمان... ویسے ہی دے دیتے۔" پروفیسر داؤد نے برا سا منہ بنایا اور وہ مسکرا دیے... پھر انہوں نے دیکھا، ڈی ایس پی شوکت ظفر بھی اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہوٹل کے اندر داخل ہو رہے تھے... اب وہ بھی اپنی کار پارک میں کھڑی کر کے دروازے کی طرف بڑھے... دروازے پر موجود ایک باوردی آدمی فوراً ان کی طرف متوجہ ہوا:

''سر! آپ کے ٹکٹ؟''

''ہم ٹکٹ نہیں لے سکے... کس طرف ہے بکنگ آفس۔''

''لیکن سر تمام ٹکٹیں تو فروخت ہو چکی ہیں۔''

''اوہو اچھا... پھر آپ ہمارے لیے خاص جگہ بنوائیں گے...'' یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید اندر داخل ہو گئے...

''ارے ارے... دیکھیے صاحب... آج کے دن صرف ٹکٹوں والے حضرات اندر جا سکتے ہیں... ورنہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔''

انہوں نے جیسے سنا ہی نہیں... سیدھے کاؤنٹر پر آ کر رکے... ان کے پیچھے ہی وہ نگران بھی کاؤنٹر پر آ گیا۔

''سر... یہ... ان حضرات کے پاس ٹکٹ نہیں ہیں... میں نے انہیں روکنا چاہا... لیکن...''

''ٹھیک ہے... آپ دروازے پر جائیں... میں ان سے بات کر لیتا ہوں۔'' کاؤنٹر پر موجود خونخوار قسم کے آدمی نے سرد آواز میں کہا... پھر ان کی طرف مڑا۔

''فرمائیے... آپ کیا چاہتے ہیں۔''

''آج شام کا پروگرام دیکھنا چاہتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''تمام ٹکٹ فروخت ہو چکے ہیں۔''

''تب آپ کو ہمارے لیے خاص جگہ بنانا پڑے گی۔''

''آپ کی تعریف۔'' اس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

انہوں نے اپنا کارڈ اس کے سامنے کر دیا... اس نے کارڈ پڑھا... پھر قدرے رک کر بولا:

''مجھے افسوس ہے... میں آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔''

''تب پھر میں ہوٹل کی تلاشی لینا چاہتا ہوں...''

''جی... وہ کس لیے۔''

''آپ کا نام... ہوٹل میں عہدہ؟'' انہوں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''مجھے شاویز کہتے ہیں... میں اس ہوٹل کا منیجر ہوں اور میں ہی اس ہوٹل کا مالک ہوں۔ سمجھے جناب... آپ مجھ پر رعب ڈالنے کی کوشش بھی نہیں کریں گے... جی ہاں... اور کیا... آپ ہوٹل کی تلاشی کس لیے لینا چاہتے ہیں... اور کیا آپ کے پاس تلاشی کے وارنٹ ہیں۔''

''ہاں کیوں نہیں... تلاشی میں اس لیے لینا چاہتا ہوں کہ مجھے شک ہے، اس ہوٹل میں غیر قانونی کام ہو رہے ہیں... رہی بات تلاشی کے وارنٹ کی... وہ ہر وقت میرے پاس ہوتے ہیں... یہ لیں وارنٹ پڑھ لیں۔''

یہ کہہ کر وہ لگے جیب میں ہاتھ ڈالنے... ایسے میں ڈی ایس پی شوکت ظفر وہاں آ گئے:

''کیا معاملہ ہے؟'' انہوں نے شاویز سے پوچھا۔

''انسپکٹر صاحب ہوٹل کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔''

''میں نے آپ سے کہا تھا... اس معاملے سے آپ الگ رہیں... مسٹر زپاٹا کے سلسلے میں میری ڈیوٹی لگائی گئی ہے... لیکن آپ یہاں بھی آ گئے۔'' ان کا لہجہ بہت ناخوش گوار تھا۔

''مشکل یہ ہے جناب کہ ہماری ڈیوٹی بھی مسٹر زپاٹا کے سلسلے میں لگائی گئی ہے... آپ چاہیں تو اس بات کی تصدیق آئی جی شیخ نثار احمد صاحب سے کر سکتے ہیں۔''

''مجھے کسی سے تصدیق کرنے کی ضرورت نہیں... اگر بات یہی ہے... تب پھر آپ بلا وجہ ہوٹل کی تلاشی نہ لیں... اس طرح یہاں کا نظام درہم برہم ہو جائے گا... ہوٹل کی بدنامی ہو گی... یہ ایک غیر ملکی ہوٹل ہے... یہ سوچ لیں۔''

''تب پھر آپ بتائیں... ہم یہاں اپنی ڈیوٹی کس طرح دیں...'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''آپ کیا چاہتے ہیں۔''

''دیکھیے... آپ ڈیوٹی پر ہیں نا... کیا آپ نے یہاں کوئی میز بک کرائی تھی۔''

''نہیں...'' ڈی ایس پی شوکت ظفر نے جھجک کر کہا۔

''پھر آپ کہاں بیٹھیں گے۔''

''یہ انتظام کریں گے... کیونکہ یہ جانتے ہیں... یہاں ہمیں ڈیوٹی دینا ہے۔''

''یہی میں کہہ رہا ہوں... میری بات کی تصدیق آپ آئی جی صاحب سے کر سکتے ہیں... لہٰذا اگر یہ لوگ آپ کے لیے انتظامات کر سکتے ہیں تو ہمارے لیے کیوں نہیں کر سکتے...''

اب وہ لگے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے... شاید اس سوال کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ آخر منیجر نے کہا:

''اچھی بات ہے... ہم آپ کے لیے ایک الگ میز لگوا دیتے ہیں... ایک طرف ڈی ایس پی صاحب کے لیے میز لگوائی جا چکی ہے۔''

''یہ ہوئی نا بات۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''چلیے ٹھیک ہے، یونہی سہی۔'' ڈی ایس پی شوکت ظفر بھی زبردستی مسکرا دیے۔

پھر وہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ آخر پروگرام کا وقت ہو گیا... اس وقت ہوٹل کے ہال کی تمام میزیں مکمل طور پر پُر ہو چکی تھیں... ہوٹل کی طرف سے اعلان کیا گیا:

''خواتین و حضرات... ہمارے آج کے مہمانِ خصوصی اپنے کمرے سے نکل چکے ہیں اور ہال میں تشریف لا رہے ہیں... آپ سب سے درخواست ہے کہ جونہی وہ ہال میں آئیں... آپ سب پُرجوش انداز میں تالیاں بجائیں۔''

ہال میں جوش کی ایک لہر سی دوڑ گئی... لوگوں کی نظریں بار بار اس سمت میں اٹھنے لگیں جس طرف سے زپاٹا کو آنا تھا... آخر وہ آتا نظر آیا... چار بیرے اس کے دائیں بائیں ایک قدم پیچھے رہ کر چل رہے تھے... وہ بالکل شاہانہ انداز میں آ رہا تھا... پورا ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔ یہاں تک کہ اسے اس کی میز تک لے آیا گیا... اس کے لیے کرسی بھی خاص انداز کی رکھی گئی تھی... میز کے گرد پانچ کرسیاں اور بھی تھیں، لیکن وہ اسی قسم کی تھیں جس قسم کی پورے ہال میں موجود تھیں... اس کے ساتھ ہی منیجر شاویز کے الفاظ سنائی دینے لگے... وہ اعلان کرنے کے انداز میں کہہ رہا تھا:

''خواتین و حضرات! آج ہم اپنے مہمان خصوصی کی آمد کے موقع پر آپ کو ایک زبردست آئٹم دکھا رہے ہیں... یہ آئٹم ہے ایک خونی مقابلہ... دو زبردست جنگجو آپس میں سچا مقابلہ کریں گے... اس مقابلے میں جو جیت جائے گا... ہوٹل کی طرف سے اسے پچاس ہزار ڈالر انعام دیا جائے گا اور یہ انعام مہمانِ خصوصی اپنے ہاتھ سے پیش کریں گے...

پھر جونہی اعلان ختم ہوا... ہال کے ایک سمت سے ایک لڑاکا اور دوسری سمت سے دوسرا لڑاکا آتے نظر آئے... ہال کے درمیان ایک گول چبوترا بنایا گیا تھا... اس چبوترے پر ان دونوں کو آپس میں لڑنا تھا...

جونہی انسپکٹر جمشید کی نظر ان دو میں سے ایک لڑاکے پر

پڑی... وہ زور سے چونکے... ان کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی... اور ان کے ساتھیوں سے ان کی حیرت چھپی نہ رہ سکی۔

☆☆☆☆

تم نہیں ...... فاروق!

''خیر تو ہے ... ابا جان! آپ بہت حیرت زدہ نظر آ رہے ہیں۔'' فرزانہ نے سرسراتی آواز میں پوچھا۔

''ہاں بھئی... واقعی میں بہت حیران ہوں... زرد لباس والے لڑکے کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں... یہ واقعی زبردست لڑاکا ہے، ایک بار میرا اس سے آمنا سامنا ہو چکا ہے... میں اس سے بہت مشکل سے جیت سکا تھا... پھر یہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور اس روز کے بعد میں اسے آج دیکھ رہا ہوں، اگرچہ یہ میک اپ میں ہے...''

''اس کا کیا نام ہے... اور آپ کی اس سے لڑائی کیوں ہوئی تھی...''

''اس کا نام کانٹا ہے... یہ دوسروں سے کہا کرتا ہے... میں وہ کانٹا ہوں جو دشمن کے حلق میں پھنس جاتا ہے...''

ابھی انہوں نے یہ الفاظ کہے ہی تھے کہ انہوں نے کانٹے کو کہتے سنا:

''میں وہ کانٹا ہوں جو دشمن کے حلق میں پھنس جاتا ہے۔''

''اور میں وہ ہڈی ہوں... جو کانٹے کو توڑ کر رکھ دیتی ہے... آج معلوم ہو جائے گا... کون کتنے پانی میں ہے۔''

ایسے میں شادیز کی آواز گونجی:

''واضح رہے... یہ فری سٹائل کشتی کا مقابلہ ہے... ریفری موجود ہوگا... وہ دیکھیے... ریفری چلا آ رہا ہے۔''

ان کی نظریں ریفری پر پڑیں تو انسپکٹر جمشید پھر چونک اٹھے اور مارے حیرت کے بولے:

''لیجیے! آپ تو پھر چونک اٹھے... ابھی تو ہم پہلی بار چونکنے کی وجہ ہی نہیں جان سکے۔'' فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید اور دوسرے مسکرا دیے... پھر انہوں نے کہا:

''میری ڈیوٹی اس روز ساحل سمندر پر تھی... اطلاع ملی تھی کہ کچھ جرائم پیشہ لوگ وہاں جمع ہونے والے ہیں... بس میں وہاں پہنچ گیا... یہ شخص یعنی کانٹا وہاں سب سے پہلے پہنچا ہوا تھا... لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ یہ جس راستے سے آیا تھا... اس رخ سے میں اسے نہ دیکھ سکا... اور اس نے مجھے دیکھ لیا... بس اس نے دوڑ لگا دی... میں نے اسے دوڑتے ہوئے دیکھ لیا اور اس کے پیچھے دوڑ پڑا... اس طرح میں نے اسے جا لیا... لیکن یہ خود کو میرے حوالے کرنے کی بجائے، مجھ سے بھڑ گیا... ہم دونوں کے درمیان خوب دو دو ہاتھ ہوئے... آخر یہ بھاگ نکلا... اور میں کوشش

کے باوجود اسے پکڑ نہ سکا... بس اس کے بعد میں آج اسے دیکھ رہا ہوں...

''چلیے... یہ بات تو معلوم ہوگئی... اس کے بعد ایک بار پھر آپ کیوں چونکے...''

''دوسری بار میں اس ریفری کو دیکھ کر چونکا ہوں... یہ شخص بھی زبردست لڑاکا ہے... ایک جرم کے سلسلے میں گرفتار ہو چکا ہے اور سزا بھی کاٹ چکا ہے... حیرت ہے... اب یہ کام کر رہا ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''تو پہلے یہ کیا کرتا تھا۔''

''ڈاکے ڈالتا تھا... اب ریفری بنا بیٹھا ہے... اوہو... وہ دیکھو... مقابلہ شروع ہوگیا۔'' انہوں نے جلدی سے کہا۔

دونوں لڑاکے ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش میں لگ گئے... وہ ایڑی چوٹی کا زور لگاتے نظر آ رہے تھے... وہ ان کی لڑائی غور سے دیکھنے لگے... پھر تیسرے ہی راؤنڈ میں کانٹے نے ہڈی کو گرا لیا... پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا... ایسے میں انسپکٹر جمشید کی بلند آواز گونج اٹھی:

''یہ نورا کشتی تھی... دونوں ڈرامہ کر رہے تھے... یہ تینوں راؤنڈ پہلے سے طے تھے... یہ کہ پہلے راؤنڈ میں ہڈی جیتے گا... تو تیسرے راؤنڈ میں کانٹا ہڈی کو چیت کر دے گا۔''

انسپکٹر جمشید کی گونجتی آواز نے لمحے بھر کے لیے سب پر سکتہ

طاری کر دیا...

''فضول بات... بے کار بات۔'' منیجر شاویز کی گرج دار آواز سنائی دی۔

''ہاں ہاں... بالکل بے کار بات... سب نے یہ مقابلہ غور سے دیکھا ہے... ہمیں تو اس میں کہیں کوئی مصنوعی پن نظر نہیں آیا۔'' تماشائیوں میں سے کوئی دھاڑا...

''یہ صاحب خود کو نمایاں کرنے کے مرض میں مبتلا معلوم ہوتے ہیں۔'' کوئی اور بولا۔

''ضرور یہی بات ہے۔'' شاویز ہنسا۔

''میرے پاس اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ثبوت موجود ہے۔'' انسپکٹر جمشید پرسکون آواز میں بولے۔

''کیا کہا... ثبوت موجود ہے...''

''ہاں بالکل... آپ چاہیں تو میں ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے... کریں پھر ثبوت پیش۔''

''اس کے لیے دیوار پر سفید پردہ لگانا ہوگا... تاکہ میں وہ منظر دکھا سکوں۔''

''اس طرف پردہ لگانے کا انتظام ہے... صرف ایک منٹ بعد دیوار پر خود بخود پردہ تن جائے گا۔'' شاویز نے جلدی جلدی کہا۔

پھر واقعی دیوار پر پردہ نظر آیا۔ ادھر انسپکٹر جمشید اپنی گھڑی

میں موجود وڈیو کیمرے میں ریکارڈ شدہ فلم کو پردے پر منتقل کرنے لگے... سب لوگ غور سے دونوں لڑاکوں کی لڑائی کو دیکھنے لگے... آخر ایک جگہ تصویر رک گئی۔

''ملاحظہ فرمائیں... کانٹا یہاں آنکھ کا اشارہ کر رہا ہے... اور اس اشارے کے فوراً بعد ہڈی نیچے گرتا نظر آ رہا ہے... آخر یہ اشارہ کیسا تھا... یہ آپ لوگ بتا دیں۔'' یہاں تک کہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ پورے ہال پر چند لمحات کے لیے موت کا سناٹا طاری ہو گیا... ایسے میں کانٹے کی آواز ابھری:

''یہ آنکھ کا اشارہ نہیں تھا... میری آنکھ کے اندر دانہ نکلا ہوا ہے... اس کی وجہ سے مجھے آنکھ جھپکنا پڑتی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''اچھی بات ہے... کیا اچھی بات ہے... کیا آپ اب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی تھی۔''

''نہیں... میں یہ نہیں کہنا چاہتا۔''

''تب پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''یہ کہ ہم مسٹر کانٹے کے اس جھوٹ اور سچ کا جائزہ لے سکتے ہیں۔''

''آپ کا اشارہ کس جھوٹ اور سچ کی طرف ہے انسپکٹر۔'' شاویز نے غرا کر کہا۔

''ان کا کہنا ہے کہ ان کی آنکھوں میں دانہ ہے... اس کی وجہ سے انہوں نے آنکھ جھپکی تھی... اور وہ مسٹر ہڈی کے لیے کوئی اشارہ نہیں تھا... اب اس بات کی حقیقت تک پہنچنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم یہاں آنکھوں کے ماہر ڈاکٹرز کو بلا لیتے ہیں... آنکھ میں دانہ ہوا تو معلوم ہو جائے گا... نہ ہوا تو پھر وہ اشارہ تھا۔''

کانٹے کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا... اس نے جلدی سے کہا:

''اور دوسرا طریقہ کیا ہے؟''

''یہ کہ یہاں ایک سچا اور کھرا مقابلہ ہو۔''

''کیا مطلب... سچا اور کھرا مقابلہ... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''نورا مقابلہ نہ ہو... حقیقی مقابلہ ہو اور ظاہر ہے... وہ مقابلہ ان دونوں کے درمیان تو ہو نہیں سکے گا... لہٰذا میں اپنے ساتھیوں میں سے کسی ایک کو مسٹر کانٹے کے مقابلے میں بھیج دیتا ہوں... اگر مسٹر کانٹے نے میرے ساتھی کو گرا دیا تو بات ختم... ورنہ یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ مقابلہ نورا تھا... ہوٹل کی انتظامیہ کو اس صورت میں تمام حاضرین سے معافی مانگنا ہو گی...''

کانٹے نے پریشان ہو کر شاویز کی طرف دیکھا... وہ فوراً بولا:

"ٹھیک ہے کانٹے... تم مقابلے والی بات مان لو... ڈاکٹر کو بلانے اور چیک کرنے میں وقت لگ جائے گا اور حاضرین بور ہوں گے... جب کہ مقابلہ فوری شروع کیا جا سکتا ہے اور حاضرین کی دلچسپی قائم رہے گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" کانٹا بولا۔

"ہمیں بھی منظور ہے... میں اپنے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو آپ کے مقابلے میں بھیج رہا ہوں... فاروق... اٹھو... اور مسٹر کانٹا کا مقابلہ کرو۔"

"مم... مم... میں... یعنی کہ ابا جان... میں۔" فاروق کانپ کر بولا۔

ہال میں قہقہے گونج اٹھے... سب سے بلند قہقہہ کانٹے کا تھا...

"ہاں تم؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نن نہیں... محمود کو بھیج دیں۔"

"ٹھیک ہے ابا جان... میں کروں گا مقابلہ۔" محمود نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں محمود... تم نہیں... فاروق۔" انسپکٹر جمشید خوش گوار لہجے میں بولے۔

"ارے باپ رے... آپ تو مجھے بھیجنے پر تل گئے۔"

ہال میں موجود لوگ پھر ہنسنے لگے... وہاں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی... جو ان سے واقف نہیں تھے... البتہ کچھ لوگ واقف بھی ضرور تھے... اور وہ ہنسنے والوں میں شریک نہیں تھے...

فاروق ڈرے ڈرے انداز میں رِنگ میں داخل ہوا... کانٹا اسے دیکھ کر ایک بار پھر ہنسا۔ ڈیل ڈول میں وہ اس کے مقابلے میں پورا ایک دیو لگ رہا تھا...

"یہ... یہ کریں گے میرا مقابلہ۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" انسپکٹر جمشید پرسکون آواز میں بولے۔

"اچھی بات ہے... آپ ذمے دار ہوں گے... مجھے کیا؟" کانٹے نے کندھے اچکائے۔

اور پھر وہ دونوں لڑنے کی پوزیشن میں آ گئے...

"پھر کہے دیتا ہوں... یہ میرے ایک ہاتھ کی مار بھی نہیں ہے۔"

"اُسی ایک ہاتھ کا انتظار ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن... ذرا پیار محبت سے لڑیے گا۔" فاروق نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

پھر اچانک کانٹا اچھلا، اس کی لات پوری قوت سے گھوم گئی... لیکن لات فاروق کے سر کے اوپر سے نکل گئی تھی، وہ اس کی لپیٹ میں نہیں آ سکا تھا... اگر چہ حملہ بہت اچانک اور بلا کی تیزی سے کیا گیا تھا...

انہوں نے کانٹے کی آنکھوں میں حیرت کے بادل دیکھے...

ادھر فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا:

''کانٹے صاحب! اس قدر خوفناک انداز میں تو وار نہ کریں... کچھ تو لحاظ رکھیں۔''

کانٹے کا چہرہ غصے سے تن گیا... اس نے قلا بازی کھائی اور دونوں پیر فاروق کے سینے کی طرف اچھال دیے... فاروق بالکل تیار تھا... وہ صرف ایک قدم سرک گیا... کانٹے کے پیر زمین پر لگے، اس طرح اس کا جسم کمان کی شکل اختیار کر گیا... اس کے ہاتھ اور پیر زمین پر ٹکے ہوئے تھے جب کہ کمر زمین سے اوپر اٹھی ہوئی تھی... یہی وہ وقت تھا... جب فاروق حرکت میں آیا، اس نے دائیں بازو کی کہنی اس کے پیٹ پر پوری قوت سے دے ماری...

اس کی کمر دھب سے نیچے جا لگی... فاروق ایک بار پھر اس سے فاصلے پر کھڑا نظر آیا۔ اس نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی کہ اس کی کہنی سے اسے کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی تھی... اس کا مطلب تھا... وہ اس قسم کی مشقوں سے گزر چکا ہے... تاہم فاروق کے چہرے پر کسی گھبراہٹ کے آثار نہیں تھے... وہ پوری طرح پرسکون تھا... بلکہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی...

کانٹا اچھل کر کھڑا ہوا... اسی وقت پہلا راؤنڈ ختم ہو گیا... اور اس راؤنڈ میں فاروق کا پلڑا بھاری رہا تھا۔

اب دوسرا راؤنڈ شروع ہوا... دونوں ایک بار پھر آمنے سامنے آ گئے... کانٹا اب پہلے کی نسبت سنبھلا ہوا نظر آیا تھا... وہ جان چکا تھا... اس لڑکے سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے... بلکہ وہ اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے... اس بار اس نے بچے تلے انداز میں وار کیا... کوئی تیزی نہ دکھائی... بس معمول کی رفتار سے اس کی طرف آیا... البتہ نزدیک آتے ہی وہ بلا کی رفتار سے اچھلا اور فاروق کے سینے پر فلائنگ کک دے ماری... فاروق تیار تھا... زمین پر بچھ گیا اور اس کی کمر پر دایاں پاؤں رسید کر دیا...

کانٹے کی چیخ نے ہال کے لوگوں کو تھرا دیا... کانٹا دھب سے گرا اور ساکت ہو گیا... ریفری گنتی گننے لگا... ادھر اس نے دس کہا، ادھر ہال میں تالیاں گونج اٹھیں... انہوں نے دیکھا... زپاٹا اپنی میز پر بالکل ساکت بیٹھا تھا... تالی بجانے کے لیے اس کے ہاتھ حرکت میں نہیں آئے تھے... شادیز اور ہوٹل کے عملے نے بھی تالیاں نہیں بجائی تھیں... وہ حیرت کا بت بنے فاروق کو دیکھ رہے تھے... ایسے میں شادیز کی آواز گونجی:

''کانٹا بے خبری میں مارا گیا... اسے دراصل اندازہ نہیں تھا کہ اس کے مقابلے میں جوڈو کراٹے اور فری سٹائل وغیرہ کا کوئی ماہر کھڑا ہے... اس نے اسے عام سا لڑکا خیال کیا... لہٰذا ہم اس مقابلے کو انصاف پر مبنی مقابلہ نہیں کہہ سکتے... میں اپنا اصل لڑاکا رنگ میں لانا چاہتا

ہوں... دوسرا فریق بھی جس سے چاہے، مقابلہ کرائے۔''

اس اعلان پر ایک بار پھر ہال میں سنسنی سی دوڑ گئی... ایسے میں انسپکٹر جمشید بول اٹھے:

''ہمارا یہی ساتھی مقابلہ کرے گا... آپ جسے چاہیں، مقابلے کے لیے لے آئیں۔''

''تم نے سنا..... شاہو!'' شاویز کی گونج دار آواز سنائی دی۔

''سنا باس...''

ہال میں ایک اور بھاری بھرکم آواز گونجی... سب کی نظریں اس آواز کی سمت میں اٹھ گئیں۔

☆☆☆☆

ایسی کی تیسی

انہوں نے ایک بہت قد آور لڑاکے کو ہال کے ایک کونے سے اٹھتے ہوئے دیکھا... وہ ڈیل ڈول اور شکل صورت کے اعتبار سے حد درجے خوفناک تھا... فاروق اس کے مقابلے میں بالکل ننھا سا بچہ نظر آ رہا تھا...

''یہ... یہ انصاف نہیں۔'' ہال میں سے کسی نے کہا۔

''کیا مطلب... کیا انصاف نہیں۔''

''اس بچے نے جس طرح کانٹے سے مقابلہ کیا اور اسے چاروں شانے چت کیا، وہ قابلِ تعریف ہے... ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کی تعریف کی جاتی... منیجر صاحب یہ بات تسلیم کر لیتے کہ پہلا مقابلہ نورا کشتی تھا، لیکن اپنے پہلوان کی ہار کے بعد اب وہ اس سے بھی دوگنا۔ دوگنے کو اس بچے کے مقابلے میں لے آئے ہیں... لہٰذا میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں... یہ انصاف نہیں... البتہ۔'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

اب سب لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے... وہ اپنی جگہ سے

اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''البتہ کیا؟''

''البتہ! یہ مجھ سے مقابلہ کر لے...''

''کیا مطلب... آپ... میرے لڑکے سے مقابلہ کریں گے۔'' شاویز کا منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''ہاں! مجھے اس بچے پر ترس آ رہا ہے... میں اسے ہارتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا... لہٰذا اس کی جگہ میں مقابلہ کروں گا... کیا آپ کو اعتراض ہے مسٹر شاویز۔'' وہ شخص کہتا چلا گیا۔

''آپ... آپ کون ہیں... میں آج آپ کو شاید پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔''

''ہاں! میں تھوڑی دیر پہلے ہی اپنے ملک سے یہاں آیا ہوں... ہوٹل شمورا میں میرا قیام ہے... مجھے کسی نے وہاں آج کے اس پروگرام کے بارے میں بتایا تو چلا آیا... لیکن اب مسٹر شاہو سے مقابلہ میں کروں گا۔''

''خوب خوب! میرا خیال ہے... یہ مقابلہ ہو جانا چاہیے... لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ پہلے یہ لڑکا شاہو سے مقابلہ کرے... اور اس کے ہارنے کی صورت میں شاہو سے آپ مقابلہ کریں۔'' یہ تجویز زپاٹا کی تھی... اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلنے کی دیر تھی کہ سب پکار اٹھے:

''بالکل ٹھیک... بالکل ٹھیک۔''

''ہمیں بھی یہ بات منظور ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''اور ابا جان... یہ صاحب جو درمیان میں بول پڑے ہیں... انھیں ہم نے کہاں دیکھا ہے بھلا۔'' محمود نے دبی آواز میں پوچھا۔

''اس قدر جلد بھول گئے... اسے بھئی یہ مسٹر ایوائیوا ہے...''

''اوہ ہاں یاد آیا... ائیر پورٹ پر زپاٹا سے پہلے یہ صاحب آئے تھے۔''

''ہوں... یاد آ گیا... یہ عجیب بات ہے... یہ صاحب بھی لڑاکے ہیں۔''

''بھئی یہ جوڈو کراٹے، مارشل آرٹ وغیرہ تو آج کل عام ہیں... اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔''

اسی وقت انھوں نے سنا... شاویز کہہ رہا ہے۔

''آ جاؤ... شاہو... اور اس لڑکے کو ذرا جلدی سے فارغ کر دو... اور دیکھو... کانٹے کی طرح کہیں اس کے ہاتھوں مار نہ کھا جانا۔''

''فکر نہ کرو باس... کانٹے سے غلطی ہوئی، اس نے اسے اہمیت نہیں دی... میں پوری طرح ہوشیاری سے لڑوں گا... اسے کوئی موقع نہیں دوں گا... کیونکہ انسپکٹر جمشید کے بچے... کوئی عام بچے نہیں ہیں... اور انھوں نے ایسے ہی اپنے اس بچے کو مقابلے کے لیے نہیں بھیج دیا۔''

"کیا... یہ... یہ انسپکٹر جمشید ہیں... اور یہ ان کے بیٹے ہیں۔"
کئی حاضرین چلا اٹھے۔

"جی ہاں! یہی بات ہے... لیکن میں پھر بھی یہی کہوں گا... کانٹے نے احتیاط نہیں کی..."

"ٹھیک ہے شاہو... شروع ہو جاؤ۔"

شاہو اچھل کر رنگ میں آ گیا... وہ دھم کی آواز سے رنگ کے تختے پر گرا... ادھر فاروق بولا۔

"شکریہ مسٹر چاہو۔"

"حد ہو گئی... میرا نام شاہو ہے... چاہو نہیں۔"

"مم... معافی چاہتا ہوں مسٹر چاہو... میں سمجھا تھا آپ کا نام شاہو ہے۔"

"حد ہو گئی... حد ہو گئی... ہے کوئی تک۔" وہ چلا اٹھا۔

"خبردار شاہو... یہ تمہیں غصہ دلانے کی سازش ہے... تم غصے میں نہیں آؤ گے... بہت ٹھنڈے رہ کر لڑو گے۔"

"او کے باس... آپ فکر نہ کریں۔"

اور پھر پہلا راؤنڈ شروع ہوا... ایسے میں فاروق نے کہا:

"مسٹر ساہو... آپ کون سے راؤنڈ میں شکست کھانا پسند کریں گے۔"

"غصے میں نہ آنا شاہو... چاہے یہ تمہیں کا ہو کیوں نہ کہے... یہ

ان کا خاص انداز ہے... جس سے لڑتے ہیں... اسے غصہ دلا دیتے ہیں۔"

"ابھی تک میں نے یہ کوشش نہیں کی... ورنہ میں چاہتا تو یہ آگ بگولہ ہو جاتے، مارے غصے کے ان کے منہ سے جھاگ نکلنے لگتا۔"

"اوہ نہیں... میں غصے میں آنے والا نہیں... تم خوشی سے کوشش کر لو۔"

"دیکھ لیں... میں کوشش کر ڈالوں گا۔"

"ضرور ضرور... میں جو کہہ رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے... تو پھر سنیے... آج آپ کا اس ہوٹل میں آخری دن ہے... اس مقابلے کے بعد آپ ملازمت سے فارغ ہو جائیں... اور شہر میں دھکے کھاتے پھریں گے، کوئی آپ کو نہیں پوچھے گا۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"غصہ نہیں آیا۔" وہ ہنسا۔

"وہ آئے گا... لیکن اپنے وقت پر... میں آپ کو پہلے راؤنڈ میں ناک آؤٹ کر دوں گا ان شاء اللہ۔"

"یہ منہ اور مسور کی دال۔"

"ہاں... یہی منہ اور مسور کی دال... نہ گھوڑا دور نہ میدان... ابھی معلوم ہو جائے گا... پہلے راؤنڈ میں اب دیر کتنی لگے گی... آپ ایک مچھر کی طرح مارے جائیں گے... یاد رہے... صرف پہلے راؤنڈ

میں...''

''ناممکن۔'' وہ چلا اٹھا۔

''خبردار شاہو۔'' شاویز پکار اٹھا۔

''باس... بس... بہت ہو چکی... آپ دیکھ نہیں رہے... اس نے کیا کہا ہے... پہلے راؤنڈ میں ہار جاؤں گا میں اس سے۔''

''باس نے یہ بات دیکھی نہیں... سنی ہے۔'' فاروق بولا۔

''آپ یہ سن رہے ہیں یا نہیں... میں اب اس کی باتیں نہیں سن سکتا۔''

''ارے تو کان بند کر لو۔''

''تمہاری تو ایسی کی تیسی۔'' وہ خوفناک انداز میں اچھلا، دیکھنے والوں کو یوں لگا... جیسے فاروق اس کے نیچے دب چکا ہے... لیکن اس کا جسم بری طرح تختے پر آ گرا... فاروق دور کھڑا نظر آیا... البتہ اس کے منہ سے ڈرے ڈرے انداز میں نکلا۔

''ارے باپ رے... یہ... یہ تو سچ مچ کی لڑائی لڑنے پر تل گئے ہیں ابا جان... اب میں کیا کروں۔''

''مقابلہ!'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''مقابلہ تو پہلے تھا... اب تو یہ باقاعدہ جنگ پر آمادہ ہے۔''

''تو تم بھی جنگ پر آمادہ ہو جاؤ... کیا تم نے سنا نہیں۔'' فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

''کیا سنا نہیں۔'' فاروق نے اسے گھورا۔

''تنگ آمد بجنگ آمد۔''

''اوہ ہاں... یہ تو سنا ہے۔''

''بس تو پھر شروع کر دو سچ مچ کی جنگ۔'' خان رحمان مسکرائے۔

''ارے باپ رے... یہ... یہ سب تو مجھے لڑانے پر تل گئے ہیں۔''

''ارے بھئی تو ایک اور محاورے پر عمل کر ڈالو۔'' محمود ہنسا۔

''اور... اور وہ کون سا۔''

''مرتا کیا نہ کرتا۔''

''دھت تیرے کی۔'' فاروق نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا... اسی وقت شاہو تیر کی طرح اس کی طرف آیا... فاروق اگر ہوشیار نہ ہوتا تو اس کی لپیٹ میں پوری طرح آ گیا تھا... لیکن اس سے بچنے کے لیے اس نے صرف اتنا کیا کہ اپنا رخ تبدیل کر لیا... اور وہ اپنی جھونک میں رنگ سے جا ٹکرایا۔

''میرا خیال ہے فاروق... لڑائی کو طول نہ دو۔'' انسپکٹر جمشید نے گویا اشارہ دیا۔

''جی اچھا... ابھی لیجیے۔''

اس بار جو شاہو حرکت میں آیا تو فاروق پہلے سے تیار تھا...

وہ اس کے نزدیک آتے ہی سر کے بل کھڑا ہوا اور دونوں پیر اس کے سینے پر دے مارے۔ فاروق نے صرف بچنے کی کوشش نہیں کی، خود بھی وار کر ڈالا... خود کو بچانے کے لیے وہ زمین پر لوٹ لگا گیا... اور پھر بجلی کی سرعت سے اٹھتے ہی اس کے پیٹ میں کہنی بھونک دی...

''بس پھر کیا تھا... شاہو کی ہولناک چیخ گونج اٹھی... اور وہ ساکت ہوگیا... ریفری گنتی گننے لگا... جونہی وہ دس پر پہنچا... سارا ہال پر زور تالیوں سے گونج اٹھا۔ ریفری نے فاروق کا بازو پکڑ کر اوپر کر دیا...

انھوں نے دیکھا، شاویز پتھر کا بت بن کر رہ گیا تھا... جسم میں نام کو بھی حرکت نظر نہیں آ رہی تھی... ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

''مسٹر شاویز... اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔''

''وہ مقابلہ نورا کشتی نہیں تھی۔'' اس نے جھلا کر کہا۔

''میں نے اپنی دلیل سے یہ بات ثابت کر دی ہے... جو لڑاکا ایک بچے سے ہار گیا... آخر اس نے ہڈی کو کیسے ہرا دیا... کیا ہڈی اتنا ناکارہ لڑاکا ہے۔''

''نہیں... وہ بھی ماہر لڑاکا ہے۔''

''مسٹر ہڈی...'' انسپکٹر جمشید نے پکارنے کے انداز میں کہا۔

ہڈی نے کوئی جواب نہ دیا... وہ رنگ کے پاس زمین پر بیٹھا تھا اور بہت بیزار نظر آ رہا تھا... ان کی آواز سن کر البتہ اس نے شاویز

کی طرف ضرور دیکھا تھا، گویا وہ شاویز سے پوچھنا چاہتا تھا کہ انسپکٹر جمشید سے بات کرے یا نہ... یہ دیکھ کر شاویز نے خود ان سے کہا۔

''آپ ہڈی سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''یہ کہ ان کی آنکھیں ٹھیک ہیں یا خراب۔''

''کیا مطلب؟'' شاویز نے حیران ہو کر کہا۔

''ابھی ابھی کانٹے نے کہا تھا کہ اس کی آنکھ میں دانا ہے، اس دانے کی وجہ سے اس نے آنکھ جھپکی تھی۔ تو میں نے سوچا ہڈی سے بھی پوچھتا چلوں کہیں اس کی آنکھ میں تو کوئی دانہ وانہ نہیں......''

''لیکن آپ یہ بات ہڈی سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''بس ایسے ہی... بعض اوقات میں اِدھر اُدھر کی باتیں پوچھ لیتا ہوں۔''

''میری آنکھیں بالکل ٹھیک ہیں۔'' ہڈی نے جھلا کر کہا۔

''میرا مطلب ہے... آپ نے آنکھیں جھپک جھپک کر یہ مقابلہ نہیں کیا تھا۔''

''نہیں... میرا دماغ نہیں چل گیا۔''

''اچھی بات ہے... حاضرین... ایک بار پھر اسکرین پر نظریں جما دیں... میں آپ کو کانٹے اور ہڈی کے مقابلے کا ایک اور منظر دکھانا چاہتا ہوں۔''

''کیا مطلب... ایک اور منظر؟'' کئی حیرت زدہ آوازیں

اُبھریں... ان میں شاویز، کانٹے اور ہڈی کی آوازیں بہت بلند تھیں...

''ہاں! ایک اور منظر دیکھیے۔''

ایک بار پھر ہڈی اور کانٹے کی لڑائی کا منظر نظر آنے لگا...

پھر انھوں نے کانٹے کو ہڈی کی طرف آنکھ کا اشارہ کرتے دیکھا۔

''یہ تو آپ پہلے دکھا چکے ہیں۔''

''میرا مطلب ہے، اس منظر میں کانٹا ہڈی کو آنکھ کا اشارہ کر رہا ہے... جب میں نے یہ منظر سب کو دکھایا تو کہا گیا... کانٹے نے آنکھ کا اشارہ نہیں کیا تھا... اس کی آنکھ میں دانہ تھا جس کی بنا پر وہ آنکھ جھپکنے پر مجبور ہو گیا تھا... اب دیکھیے میں اس سے اگلا منظر دکھاتا ہوں... کانٹے کی آنکھ کا یہ اشارہ دیکھ کر ہڈی نے کیا کیا۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی اسکرین پر ہڈی کا چہرہ نظر آنے لگا... ساتھ ہی اس نے مسکرا کر آنکھ ماری... اور اس کے فوراً بعد وہ گرتا نظر آیا اور پھر اٹھ نہ سکا۔

''یہ... یہ کیا مسٹر شاویز... اس کا مطلب ہے... یہ لوگ درست کہہ رہے ہیں... اور آپ نے مجھے اور ان سب لوگوں کو ایک فرضی مقابلہ دکھایا ہے... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ میرے ساتھ ایسا دھوکا کریں گے... لیکن میں یہاں آپ سے کسی قسم کی بات نہیں کرنا چاہتا... میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں... آپ فوری طور پر وہیں آجائیں... اب شاید میں اس ہوٹل میں قیام نہیں کر سکوں گا...'' یہ کہہ کر

وہ ڈی ایس پی شوکت ظفر کی طرف مڑا:

''محترم ڈی ایس پی شوکت ظفر صاحب... مجھے اُمید ہے... آپ بھی تکلیف کریں گے... اور میرے کمرے کے آس پاس رہیں گے... میں یہاں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔''

''یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، یہاں آپ کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے... میں آپ کے کمرے میں آکر آپ کا اطمینان کراتا ہوں... اور یہ جو بات ہے نورا کشتی کی... یہ ان دونوں لڑاکوں کی آپس کی ملی بھگت ہو تو ہو... میرا اس ملی بھگت سے دور کا بھی تعلق نہیں... اور میں اس بات کو ثابت کر سکتا ہوں۔''

''یہ اچھی بات ہے... اگر آپ نے یہ بات ثابت کر دی تو میں یہاں سے نہیں جاؤں گا... یہ میرا وعدہ رہا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا... پھر ایک جھٹکے سے اٹھا اور تیزی سے سامنے والے برآمدے میں چلا گیا... اس کا اٹھنا تھا کہ ڈی ایس پی صاحب اور ان کے ماتحت بھی اٹھ آئے اور برآمدے کی طرف چلے...

ادھر انسپکٹر جمشید بولے۔

''آؤ بھئی ہم بھی چلیں۔''

ساتھ ہی ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''ارے!''

☆☆☆☆☆

منظر

''کک... کیا ہوا جمشید!'' خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

''کک... کچھ نہیں... آؤ چلیں... کہیں ڈی ایس پی صاحب نظروں سے اوجھل نہ ہو جائیں... پھر ہمارے لیے یہ معلوم کرنا مشکل ہو جائے گا کہ مسٹر زپاٹا کون سے کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

''ہوں... ٹھیک ہے...''

وہ سب تیزی سے اٹھے اور برآمدے کی طرف لپکے... انھوں نے ڈی ایس پی کے ماتحتوں کو تیزی سے برآمدے کا موڑ مڑتے دیکھا... یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید نے رفتار اور بڑھا دی... ایسے میں محمود کے منہ سے نکلا۔

''ارے!''

''اب تم نے بھی ارے کہ دیا۔'' فاروق نے اسے گھورا... ساتھ ہی خود اس کے منہ سے نکلا۔

''ارے!''

''اور اب تمھیں کیا ہوا۔''

''لگتا ہے... تم سب کو ارے کی بیماری... ارے۔'' پروفیسر داؤد کہتے کہتے رک گئے اور پھر خود بھی ارے کہ بیٹھے۔

''معلوم ہو گیا... ہماری بیماری مشترکہ ہے۔''

اسی لمحے انسپکٹر جمشید بھی برآمدے کا موڑ مڑ گئے... اب تو انھیں بھی رفتار بڑھانا پڑی... موڑ مڑنے پر انھوں نے دیکھا... وہ چار برآمدوں کے درمیان والی جگہ تھی اور بہت کشادہ تھی... اس کے ایک طرف تین کمروں کے دروازے تھے... بس ان تینوں کمروں کے علاوہ وہاں کوئی اور کمرہ نہیں تھا... کمروں کے بالکل سامنے والی سمت میں لفٹ تھی... جس وقت وہ وہاں پہنچے... اس وقت لفٹ اوپر جا چکی تھی... اور وہاں کوئی نہیں تھا... انسپکٹر جمشید نے دیکھا... لفٹ آخری منزل پر گئی تھی... انھوں نے لفٹ کی واپسی کے لیے بٹن دبا دیا... ایسے میں خان رحمان بولے:

''اب ہم اپنے مشترکہ ارے پر بات کر سکتے ہیں۔''

''مشترکہ ارے... کیا مطلب؟'' فاروق نے چونک کر کہا۔

''ہم نے جو باری باری ارے کہا تھا... اس پر بات کر لیتے ہیں... میرے منہ سے ارے اس لیے نکلا تھا کہ فرزانہ کری پر نظر نہیں آ رہی تھی اور نہ ہال میں کہیں موجود تھی۔''

''میں نے بھی فرزانہ کو غائب پا کر ارے کہا تھا۔'' محمود بولا۔

''اور میں نے بھی۔'' فاروق اور پروفیسر داؤد نے ایک ساتھ کہا۔

''چلیے! یہ تو معلوم ہوگیا کہ ہم سب ارے کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے تھے...

''سوال یہ ہے کہ فرزانہ کہاں ہے۔''

''فرزانہ سے پوچھ لیں گے... آؤ چلیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے... کیونکہ اسی وقت لفٹ وہاں آ کر رکی تھی۔

وہ اس میں سوار ہوگئے... اور آخری منزل کا بٹن دبا دیا... لفٹ آخری منزل پر رکی تو وہ باہر نکل آئے... اس جگہ بھی اسی طرح تین کمرے موجود تھے... باہر کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا، گویا زپاٹا کمرے میں جا چکا تھا اور اس کی حفاظت پر مامور ڈی ایس پی اور ان کے ماتحت بھی جا چکے تھے...

انھوں نے اِدھر اُدھر دیکھا... فرزانہ بھی وہاں نہیں تھی...

''فاروق تم ذرا جلدی سے چھت کا جائزہ لے آؤ... ارے ہاں... ابھی تک مسٹر شاویز تو روانہ نہیں ہوسکے تھے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی نہیں... مسٹر زپاٹا تو یہ کہتے ہی چل پڑے تھے کہ آپ میرے کمرے میں آ کر مجھ سے بات کرلیں...'' فاروق نے کہا۔

''ٹھیک ہے... تم ذرا چھت کا جائزہ لے آؤ۔''

''جی اچھا۔''

لفٹ کی آخری منزل وہی تھی... اس سے اوپر چھت پر جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں... فاروق نے فوراً سیڑھیوں کا رخ کیا... جونہی وہ اوپر پہنچا... دھک سے رہ گیا۔

O

اِدھر فاروق نے اوپر کا رخ کیا... اُدھر لفٹ آ کر رکی اور اس کا دروازہ کھلا۔ انھوں نے شاویز کو نکلتے دیکھا... ان پر نظر پڑتے ہی اس کا منہ بن گیا۔

''یہ سب کیا دھرا آپ کا ہے۔'' اس نے بھنا کر کہا۔

انسپکٹر جمشید کو ایک جھٹکا لگا... ان کے چہرے پر حیرت ہی حیرت دوڑ گئی۔ انھوں نے تیز نظروں سے شاویز کو دیکھا... پھر بولے...

''تو کیا وہ نورا کشتی نہیں تھی۔''

''اگر تھی تو بھی یہ ان دونوں کی آپس کی ملی بھگت تھی... انھوں نے میرے کہنے سے ایسا نہیں کیا۔'' شاویز نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

''نہیں کیا ہوگا...'' انسپکٹر جمشید نے کندھے اچکائے...

جواب میں شاویز نے بھی کندھے اچکائے... ان کی طرف نفرت زدہ انداز میں دیکھا... پھر بولا:

''آپ لوگوں سے پھر کسی وقت بات ہوگی... اس وقت تو معاملہ ہے... مسٹر زپاٹا سے نبٹنے کا...''

''اگر وہ ہوٹل چھوڑ کر چلے گئے تو آپ کو یا آپ کے ہوٹل کو کیا فرق پڑ جائے گا بھلا۔''

''آپ کو شاید معلوم نہیں... مسٹر زپاٹا بین الاقوامی شخصیت ہیں... اور پھر انشارجہ کے تو وہ خاص الخاص آدمی ہیں... یہ جس ملک میں جاتے ہیں... انشارجہ کی حکومت اس ملک کی حکومت سے درخواست کرتی ہے کہ مسٹر زپاٹا کی خاطر خواہ عزت کی جائے... انھیں ہر طرح کی سہولتیں دی جائیں... گویا یہ وی آئی پی آدمی ہیں... ان کے تمام تر اخراجات بھی انشارجہ ادا کرتا ہے... اب آپ غور کریں... ایسا شخص اگر ہمارے ہوٹل سے ناراض ہو کر چلا جائے... ہمارے پلے کیا رہ جائے گا... اور ہمارا کتنا نقصان ہوگا... کتنی بدنامی ہوگی... دوسرے ملکوں سے آنے والے بڑے بڑے لوگ تو پھر ہمارے ہوٹل کا رخ بھی نہیں کریں گے... اوہ... میں بھی کن باتوں میں الجھ گیا۔'' یہ کہہ کر وہ ایک جھٹکے سے رکا... اور پھر کمرے کے دروازے پر جا پہنچا... ساتھ ہی جیسے کوئی خیال آ گیا... تیزی سے ان کی طرف مڑا اور بولا۔

''لیکن آپ لوگ اب یہاں کیوں نظر آرہے ہیں... ہمارا کام آپ خراب کر کے رہیں گے۔''

''ہم اپنا کام کر رہے ہیں... آپ اپنا کام کریں... ڈی ایس پی صاحب اپنا کام کر رہے ہیں... لہٰذا یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ہم آپ کا کام خراب کر کے رہیں گے...'' انھوں نے برا سا منہ بنایا... شاویز نے

ان سے بھی زیادہ برا منہ بنایا... عین اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھل گیا... انھیں مسٹر زپاٹا کی جھلک دکھائی دی... ساتھ ہی شاویز نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

''چلو محمود... کمرے کے دروازے سے کان لگا دو۔''

''یہ کام مجھ سے بہتر فرزانہ کر سکتی ہے ابا جان۔'' محمود نے فوراً کہا۔

''جانتا ہوں... لیکن وہ اس وقت موجود نہیں... اور فاروق بھی اوپر سے لوٹ کر نہیں آیا... حیرت ہے... اس نے اتنی دیر لگا دی... تم دروازے سے کان لگا دو... پروفیسر صاحب... اور خان رحمان... ہوشیار ہو جائیں... میں خطرہ سر پر محسوس کر رہا ہوں... یوں لگ رہا ہے... جیسے کوئی نامعلوم شخص یا طاقت ہماری تاک میں ہے...'' یہ کہتے ہی انھوں نے اوپر کی طرف دوڑ لگا دی... جونہی وہ چھت پر پہنچے، حیرت زدہ رہ گئے۔

O

محمود نے دروازے سے کان لگا دیے... وہ اندر ہونے والی بات چیت سننے کی پوری کوشش کرتا رہا... لیکن ایک لفظ بھی سنائی نہ دیا... آخر اس نے مایوس ہو کر کہا:

''نہیں انکل... میرے کان فرزانہ کے کانوں جیسے نہیں... مجھے تو ایک لفظ بھی سنائی نہیں دے رہا۔''

''اچھی بات ہے... تم پیچھے ہٹ آؤ... میرے کان فرزانہ جیسے تیز تو نہیں... لیکن باقی سب سے بہتر ہیں... اس لیے میں کوشش کرتا ہوں۔''

اب انھوں نے دروازے سے کان لگا دیے... لیکن فوراً ہی ہٹ آئے اور بولے:

''نہیں بھئی... کوئی فائدہ نہیں... یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے۔''

''اوہ!'' خان رحمان اور محمود نے ایک ساتھ کہا... پھر محمود نے چونک کر کہا۔

''حیرت ہے... ابا جان بھی اوپر گئے اور نیچے نہیں آئے... لگتا ہے، اوپر گڑبڑ ہے۔''

یہ کہتے ہی محمود نے اوپر کی طرف دوڑ لگا دی... اب تو خان رحمان اور پروفیسر صاحب بھی نہ رہ سکے... اس کے پیچھے دوڑے...

جونہی وہ چھت پر پہنچے... انھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔

☆☆☆☆

دوسرا ہوٹل

ہوٹل کی چھت ایک دوسرے ہوٹل کی چھت سے ایک گیلری نما راستے سے ملی ہوئی تھی... گویا اس راستے سے نہایت آسانی سے دوسرے ہوٹل تک جا سکتے تھے... اور اس راستے میں فرزانہ کی ایک جوتی اور فاروق کا رومال پڑے تھے... جس کا مطلب یہ تھا کہ اوپر کچھ نہ کچھ ہو چکا تھا... یہاں تک کہ اس وقت اس چھت پر یا دوسرے ہوٹل کی چھت پر انسپکٹر جمشید بھی نظر نہیں آ رہے تھے:

''یہ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔'' خان رحمان ہکلائے۔

''فرزانہ کوئی گڑبڑ محسوس کر کے اوپر آئی... اور دشمن کے وار کا شکار ہو گئی... وہ اسے اٹھا کر دوسرے ہوٹل میں لے گئے... لیکن اس کی جوتی یہاں گر گئی... پھر فاروق اوپر پہنچا اور جوتی کو دیکھ کر بوکھلا گیا... اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... فوراً دوسری چھت کی طرف چلا گیا... اور وہاں جاتے ہی وہ بھی دشمن کا شکار ہو گیا... اس کے بعد ابا جان اوپر آئے...'' یہاں تک کہہ کر محمود رک گیا۔

''رک کیوں گئے محمود... مارے بے چینی کے ہمارا برا حال ہے۔''

''میں اس لیے رک گیا کہ ابا جان اس قدر آسانی سے ان کے جال میں کس طرح آ گئے۔''

''بھئی... فرزانہ کی جوتی اور فاروق کا رومال دیکھ کر اگرچہ وہ یہ جان گئے تھے کہ ان کے لیے جال بچھایا گیا ہے... لیکن اس کے باوجود ان دونوں کے لیے انھیں آگے تو جانا ہی تھا... اب آگے صورت حال کیا تھی... یہ ہمیں معلوم نہیں...''

''ہوں ٹھیک... اس کا مطلب ہے، ابا جان بھی آگے جا کر پھنس گئے ہیں... سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔''

''آؤ... ہم بھی آگے چلتے ہیں... جو ہوگا... دیکھا جائے گا۔'' پروفیسر داؤد بولے۔

خان رحمان اور محمود نے سر ہلا دیے اور تینوں ایک ساتھ آگے بڑھے... یہ چھت پورے ہوٹل پر نہیں تھی... بلکہ صرف ایک چھوٹے سے حصے کی چھت تھی... دونوں ہوٹل ایک ہی بلندی کے تھے... اور بالکل ساتھ ساتھ تھے... اس راستے کے ذریعے انھیں کیوں ملایا گیا تھا... اس کا جواب دونوں ہوٹلوں کی انتظامیہ ہی دے سکتی تھیں... بظاہر ایسا ہنگامی حالات سے بچاؤ کے لیے کیا گیا تھا...

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے دوسری چھت پر آ گئے... انھوں نے چاروں طرف دیکھا... چھت پر کوئی نہیں تھا... البتہ زینہ ان کے

سامنے تھا... مشینی انداز میں وہ سیڑھیاں اترتے چلے گئے... سیڑھیوں کے ختم پر ایک کمرے کا دروازہ کھلا نظر آیا... انھوں نے دیکھا... کمرے کے فرش پر فرزانہ، فاروق اور انسپکٹر جمشید بے ہوش پڑے نظر آئے... وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں کمرے میں داخل ہو گئے...

اب وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے... انھیں ہلایا جلایا گیا... پروفیسر صاحب نے جیب سے ایک دوا نکال کر انھیں سنگھائی... تب کہیں جا کر انھوں نے آنکھیں کھولیں۔

''ہوں... فرزانہ پہلے تم بتاؤ... کیا ہوا تھا...''

''میں مسٹر زپاٹا کا اعلان سنتے ہی اوپر آ گئی تھی۔''

''لیکن تمھیں کیسے پتا چلا کہ زپاٹا اوپر والی منزل کے کمرے میں ٹھہرا ہے۔''

''ایک بیرے سے یہ سوال میں نے اس وقت پوچھ لیا تھا... جب فاروق اور کاٹا لڑ رہے تھے۔''

''ہوں خیر... پھر تم چھت پر کیوں آئیں...''

''چھت پر ایک عجیب آواز سنائی دی تھی... میں اوپر پہنچی تو میں نے کسی کو تیزی سے وہ راستہ پار کرتے دیکھا... بس میں بھی اس طرف آ گئی... سیڑھیاں اتر کر اس کمرے میں پہنچی تو کسی نے ناک سے رومال لگا دیا۔''

''ہوں... اور کیا جب تم راستہ طے کر رہی تھیں... تمھارے

پاؤں سے جوتی نکل گئی تھی۔'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

''جی نہیں... ایسی تو کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔''

''تب پھر تمہیں بے ہوش کرنے کے بعد جوتی وہاں گرائی گئی... تاکہ باقی لوگ بھی اس جال میں پھنس جائیں۔''

''اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''مطلب یہ کہ یہاں ہمارے خلاف جال بچھایا گیا ہے... اور ظاہر ہے... یہ بہت جلدی میں بچھایا گیا... کیونکہ یہاں ہمارے آنے کا پہلے سے کوئی پروگرام نہیں تھا، خود ہمیں بھی معلوم نہیں تھا کہ یہاں آنا ہے... اب چونکہ ایک عدد جرم واقع ہو چکا ہے... لہٰذا ہم مسٹر شاوبے سے سوالات کر سکتے ہیں... اور اس ہوٹل کے منیجر سے بھی... اب اکرام اور اس کے ماتحتوں کو بھی بلانا ہوگا... لیکن میں زپاٹا کے کمرے کے پاس سے نہیں ہٹ سکتا... لہٰذا یہ سب کام تم کرو... میں چلا۔''

یہ کہتے ہی انھوں نے نیچے کا رخ کیا۔ محمود نے فوری طور پر اکرام کے نمبر ڈائل کیے۔ سلسلہ ملنے پر اسے مختصر طور پر بتایا کہ کیا کرنا ہے اور کہاں آنا ہے... فون بند کر کے اس نے باقی لوگوں پر ایک نظر ڈالی... اور بولا۔

''ہم دیر کیوں کریں... فاروق تم ذرا اس ہوٹل کے منیجر کو اوپر ہی لے آؤ۔''

''اچھی بات ہے...'' فاروق نے فوراً کہا اور زینے کی

طرف بڑھ گیا... سیڑھیاں اتر کر وہ لفٹ تک آیا... اور پھر اس کے ذریعے سب سے نچلی منزل پر پہنچا، اس نے کاؤنٹر کا رخ کیا... کاؤنٹر پر موجود شخص کو اپنا کارڈ دکھاتے ہوئے کہا:

''اوپر والی منزل پر ایک واردات ہوئی ہے... فوری طور پر منیجر کو بلائیں۔''

''فرمائیے! میں ہی اس ہوٹل کا منیجر ہوں۔''

''آئیے میرے ساتھ...''

''اوہو! کچھ بتائیں بھی تو... ہوا کیا ہے۔''

''آپ اوپر چلیں... وہیں بتائیں گے۔''

''یہ محکمہ سراغرسانی والے بچے کب سے ملازم رکھنے لگے۔''

''جب سے آپ نے کارڈ دیکھ لیا... آپ اوپر چلیں... اور ہاں... اپنا نام بھی بتا دیں تاکہ بات کرنے میں آسانی رہے۔''

''مجھے ظفر تارا کہتے ہیں۔''

''شکریہ!''

اور پھر وہ برے برے منہ بناتا اس کے ساتھ چل پڑا... دونوں اوپر آئے... وہاں صورتِ حال جوں کی توں تھی...

''انکل! یہ ہیں منیجر اس ہوٹل کے... ہوٹل کا نام نیو ہیون ہے... اور ان کا نام ہے ظفر تارا۔''

''ٹھیک ہے... انھیں ساری بات بتاؤ۔'' خان رحمان انسپکٹر

جمشید کے انداز میں بولے۔

محمود نے اسے تفصیل سنادی... پھر بولا۔

''اب چونکہ یہ واقعہ آپ کے ہوٹل میں ہوا ہے اور یہاں سے نیچے تک کوئی بھی آ جا سکتا ہے... جس طرح میں نیچے گیا اور آپ کو بلا لایا... لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس واقعے میں براہِ راست آپ کا ہاتھ ہے... اور ہم چونکہ سرکاری کام انجام دے رہے ہیں... اس لیے آپ کا یہ اقدام جرم گنا جائے گا... آپ کو گرفتار کیا جائے گا... آپ اس بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں تو ہم سننے کے لیے تیار ہیں۔''

''آپ کا دماغ کچھ خراب لگتا ہے... میں نے کوئی جرم کیا ہی نہیں اور آپ برابر الزام لگائے چلے جا رہے ہیں۔''

''اچھی بات ہے... پہلے تو ذرا یہ بتائیں... یہ دونوں ہوٹل آپس میں ملے ہوئے کیوں ہیں...''

''ہوٹل کے مالک کی مرضی... آپ کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے۔''

''کیا کہا... ہوٹل کے مالک کی مرضی... کون سے ہوٹل کے مالک کی مرضی۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''دونوں ہوٹلوں کے مالک کی مرضی۔''

''کیا مطلب... کیا دونوں ہوٹلوں کا مالک ایک ہے۔''

''جی جناب... اب کیا آپ اس پر بھی اعتراض کریں

گے۔'' اس نے گہرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے... دونوں ہوٹلوں کے مالک اگر الگ الگ ہوتے تو بھی یہ راستہ رکھا جا سکتا تھا... ہم تو وجہ جاننا چاہتے تھے... لیکن اب تو اس سوال کی ضرورت ہی نہیں رہ گئی... دونوں ہوٹلوں کا مالک ایک ہے تو راستہ کیا... سب کچھ مشترکہ رکھا جا سکتا ہے... اب براہِ راست آپ سے سوال پوچھا جاتا ہے... سوچ سمجھ کر جواب دیں۔ آپ کے جواب کو آپ کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے۔''

''میں نے سرے سے کوئی جرم کیا ہی نہیں... آپ بلاوجہ مجھے دھمکا رہے ہیں۔''

''خیر خیر... آپ جواب دیں... کیا اس معاملے میں کسی طرح بھی آپ کا ہاتھ ہے؟''

''نہیں... بالکل نہیں۔''

''شکریہ! آپ کا بیان ریکارڈ کر لیا گیا ہے... اگر معاملہ اس کے الٹ ہوا تو پھر ہم آپ سے دو دو باتیں کریں گے۔''

''ضرور کیجیے گا۔'' اس نے بھناتے ہوئے انداز میں کہا۔

اسی وقت اکرام سیڑھیاں چڑھتا نظر آیا۔

''آپ آ گئے انکل... چلیے پھر اپنا کام شروع کیجیے۔''

''تمہارا مطلب ہے... انگلیوں کے... کے... کے۔'' وہ

اٹک گیا۔

''کیا ہوا انکل... آپ کی سوئی کیوں اٹک گئی... خیر تو ہے۔''

''یہ... یہ کون صاحب ہیں۔'' اکرام نے حیرت زدہ انداز میں ظفر تارا کی طرف دیکھا۔

''یہ... یہ ہوٹل نیو ہیون کے منیجر ہیں... اور ان کا نام ہے ظفر تارا...''

''ارے باپ رے...'' مارے حیرت کے اکرام کے منہ سے نکلا۔

''آپ کو... انکل... آپ کو کیا ہوا۔''

''کیا کہا تم نے... یہ ہوٹل نیو ہیون کے منیجر ہیں اور ان کا نام ظفر تارا ہے۔''

''ہاں! انھوں نے یہی بتایا ہے۔''

''کیوں جناب! کیا یہی بات ہے۔''

''ہاں بالکل... اس میں عجیب بات کیا ہے۔''

''اس میں عجیب بات یہ ہے کہ ان کا نام ماجو ہے۔'' اکرام بول اٹھا۔

''کیا!!!'' ظفر تارا چلا اٹھا۔

☆☆☆☆

جھڑپ

انسپکٹر جمشید نیچے پہنچے تو زپاٹا کے کمرے کے سامنے ڈی ایس پی شوکت ظفر کو کھڑے پایا۔ ان کے ماتحت بھی ساتھ تھے۔

''خیر تو ہے سر... آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں... ساتھ والا کمرہ کیا آپ کے لیے مخصوص نہیں ہے۔''

''ہاں... مخصوص ہے... ہم لوگ وہیں بیٹھے تھے... لیکن جونہی مسٹر شاویز اندر گئے، انھوں نے میری ڈیوٹی دروازے پر لگا دی۔''

''آپ کا مطلب ہے... مسٹر شاویز نے؟'' انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

''ارے نہیں... مسٹر زپاٹا نے...''

''اوہ اچھا... کیا میں اس کمرے میں بیٹھ سکتا ہوں۔''

''نہیں... مسٹر زپاٹا کی ہدایات ہیں کہ میں آپ کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دوں۔''

''حیرت ہے... آخر وہ ایسا کیوں چاہتے ہیں...''

''مجھے نہیں معلوم...''

''تو آپ بھی ہمارے ساتھ کمرے میں چل کر بیٹھیں۔''

''نہیں... جب تک آپ لوگ یہاں موجود ہیں، میں بیٹھ نہیں سکتا۔''

''گویا آپ ہماری نگرانی کریں گے...'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''صرف اس کمرے کی حد تک... اگر آپ یہاں سے کہیں جانا چاہیں تو پھر میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا... میں یہیں ٹھہروں گا... کیونکہ میری ڈیوٹی تو لگی ہی مسٹر زپاٹا کے ساتھ ہے۔''

''اچھی بات ہے... میں اس کمرے میں جا رہا ہوں... آپ مجھے روک نہیں سکتے... یہ دیکھیے... میرے پاس صدر صاحب کی طرف سے اجازت نامہ ہے... میں آپ کو ہرگز نہ دکھاتا... لیکن اب میں مجبور ہوں۔''

''کیسا اجازت نامہ۔'' ڈی ایس پی شوکت ظفر کی بھنویں تن گئیں۔

''آپ دیکھ لیں۔''

انھوں نے حیرت زدہ انداز میں اجازت نامے کو پڑھا اور ساکت رہ گئے... آخر بولے۔

''اب میں کیا کہہ سکتا ہوں... کیا کر سکتا ہوں، سوائے اس کے

کہ افسرانِ بالا کو صورتِ حال بتا دوں۔''

''ضرور بتائیں...'' انھوں نے کہا اور کمرے میں داخل ہو گئے... دونوں کمروں کے درمیان میں ایک دروازہ تھا... انھوں نے اس دروازے سے کان لگا دیے... انھوں نے سنا... زپاٹا کہہ رہا تھا۔

''ہاں ڈی ایس پی صاحب... کیا بات ہے... کیا میں نے کہہ نہیں دیا تھا کہ جب تک میں مسٹر شاویز سے بات مکمل نہ کر لوں... کوئی اندر نہیں آئے گا۔''

''مجھے افسوس ہے... میں تو آپ کو یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ اب ساتھ والے کمرے میں انسپکٹر جمشید موجود ہیں اور اس کمرے میں ہونے والی گفتگو آسانی سے سن سکتے ہیں۔''

''اوہ نہیں... وہ ایسا نہیں کر سکیں گے... لیکن آپ نے انھیں روکا کیوں نہیں۔''

''ان کے پاس صدر صاحب کا اجازت نامہ ہے۔''

''اوہ... اوہ... اچھا...'' مارے حیرت کے زپاٹا کے منہ سے نکلا۔

''ہاں جناب! اب بتائیے... میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''آپ کہتے ہیں تو اجازت نامہ منسوخ کرا دوں۔''

''آپ شاید فوری طور پر ایسا نہ کر سکیں۔''

''تجربہ کر کے دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔'' زپاٹا ہنسا۔

"ضرور کریں..." شوکت ظفر بولے۔

یہ بات چیت انسپکٹر جمشید سن چکے تھے... اور اس سے ظاہر تھا کہ وہ ان کی بات چیت نہیں سن سکیں گے... زپاٹا صدر صاحب سے رابطہ کرنے میں کامیاب نہ ہو... تب بھی ان کے راستے میں مشکلات ہی مشکلات تھیں... اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ خود حرکت میں آجائیں... چنانچہ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... کمرے سے نکل کر دروازے کو دھکا دیا اور اس کے کھلتے ہی اندر داخل ہو گئے... اندر موجود زپاٹا، شاویز، اور ڈی ایس پی صاحب زور سے اچھلے... پھر ان کی آنکھوں میں غصہ دوڑ گیا۔

"یہ... یہ کیا بدتمیزی ہے۔" زپاٹا چلایا۔

"یہ بدتمیزی نہیں مجبوری ہے... آپ کے بارے میں مشہور ہے... حکومتوں کو چکمہ دے جاتے ہیں... کوئی حکومت یہ تک نہیں جان پاتی کہ آپ اس ملک میں کیوں آئے تھے... کیا کرنے آئے تھے... آپ اپنا کام کر کے واپس چلے جاتے ہیں، لیکن اس کے بعد بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کیا کر گئے ہیں... مجھے یہ باتیں بتائی گئیں اور میری ڈیوٹی لگائی گئی کہ اس بار ایسا نہیں ہونا چاہیے... آپ کا جرم بھی پکڑا جانا چاہیے اور خود آپ بھی گرفت میں آئیں... میں یہ کام کس طرح کر سکوں گا جب کہ ڈی ایس پی شوکت ظفر صاحب آڑ بنے ہوئے ہیں... یہی وجہ ہے کہ مجھے انتہائی اقدام کرنا پڑا... اور اب میں ہر وہ قدم اٹھاؤں گا... جو میں

چاہوں گا... ورنہ پھر صدر صاحب مجھ سے یہ ذمے داری واپس لے لیں..."

"میں ابھی اور اسی وقت صدر سے بات کرتا ہوں۔" زپاٹا بھنا کر بولا۔

"ضرور کریں... مجھے کوئی اعتراض نہیں..." انھوں نے کندھے اچکائے اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے... شاویز اور شوکت ظفر پہلے ہی کرسیوں پر بیٹھے تھے اور ان کی طرف دیکھ کر برے برے منہ بنا رہے تھے... اب مسٹر زپاٹا فون کر رہا تھا... اس وقت شاویز نے کہا۔

"ویسے انسپکٹر صاحب... آپ کچھ بھی کر لیں... مسٹر زپاٹا کا جرم نہیں پکڑ سکیں گے... ایڑی چوٹی کا زور لگا لیں... خون پسینہ ایک کر لیں... اپنے دماغ سے جس قدر کام لے سکتے ہیں، لے لیں... آپ یہ معلوم نہیں کر سکیں گے کہ مسٹر زپاٹا کیوں آئے ہیں اور کیا کر کے جا رہے ہیں... یہ میرا دعویٰ ہے۔"

"آپ کا ہی نہیں... میرا بھی۔" شوکت ظفر ہنسے۔

"یہ... سر یہ آپ کہہ رہے ہیں... آپ تو سرکاری آفیسر ہیں۔"

"مجھے یہ ذمے داری سونپی گئی ہے کہ میں مسٹر زپاٹا کی حفاظت کروں... کہیں ہمارے ملک میں ان پر کوئی حملہ نہ ہو جائے۔ ان حالات میں میری اور آپ کی ڈیوٹی بالکل مختلف ہے... آپ انھیں مجرم ثابت کرنا

چاہتے ہیں اور میں انھیں ایسے ہی واپس بھیج دینا چاہتا ہوں۔۔۔۔"

"اور میں چاہتا ہوں۔۔۔ یہ اپنے ملک نہ جا سکیں۔۔۔ بلکہ انھیں یہاں کی جیل میں رکھا جائے۔"

"ہاہاہا۔" زپاٹا نے قہقہہ لگایا۔

"آپ قہقہہ لگا سکتے ہیں۔۔۔ کچھ قہقہے بچا کر بھی رکھ لیں۔۔۔ جیل میں لگانے کے کام آتے ہیں۔"

"انسپکٹر جمشید۔۔۔ منہ دھو رکھو۔۔۔ تم میرا کوئی جرم ثابت نہیں کر سکو گے۔۔۔ میں تمھاری آنکھوں کے سامنے باعزت یہاں سے لوٹ جاؤں گا۔۔۔ اس وقت تم ہاتھ ملتے رہنا۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ وقت بتائے گا کہ کیا ہوتا ہے۔"

"جب تک آپ میرے خلاف کوئی ثبوت پیش نہیں کریں گے۔۔۔ مجھے جانے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔"

"جرم ہی تو ثابت کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

عین اس لمحے سلسلہ مل گیا۔۔۔ زپاٹا نے بھناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہیلو سر۔۔۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے ساتھ یہاں یہ سلوک ہوگا۔۔۔ ورنہ میں اس ملک کا رخ بھی نہ کرتا۔۔۔"

وہ ساری صورتِ حال بتانے لگا۔۔۔ آخر صدر صاحب کی بات سن کر اس نے فون بند کر دیا اور ان سے بولا۔

"صدر صاحب ابھی آپ کو فون کرنے والے ہیں۔"

"یہ جان کر خوشی ہوئی ہے۔" وہ مسکرائے۔

اسی وقت ان کے فون کی گھنٹی بجی۔

"دیکھا! میں نے کیا کہا تھا۔۔۔" زپاٹا ہنسا۔

"ہاں دیکھا۔۔۔ آپ نے جو کہا تھا۔۔۔ وہ مجھے یاد ہے۔۔۔ اب مجھے صدر صاحب سے بات کرنے دیں۔۔۔ آپ اپنی باری پر بات کر چکے ہیں۔" انھوں نے جلدی سے کہا۔

"سر! آپ نے مجھے جو حکم دیا ہے۔۔۔ کیا وہ برقرار نہیں ہے۔"

"بالکل برقرار ہے۔۔۔"

"تب پھر شوکت ظفر ڈی ایس پی صاحب کی وجہ سے میں اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کے قابل نہیں ہوں۔"

"آپ فون انھیں دے دیں۔"

"جی اچھا۔" انھوں نے کہا اور اپنا سیٹ ڈی ایس پی صاحب کی طرف بڑھا دیا۔۔۔ صدر صاحب کی بات سن کر شوکت ظفر نے برا سا منہ بنایا اور بولے:

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں آپ کے راستے میں نہیں آؤں گا۔۔۔ آپ جانیں۔۔۔ آپ کا کام جانے۔" شوکت ظفر نے تلملاہٹ کے عالم میں کہا۔

"شکریہ۔۔۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا کہا آپ کے ملک کے صدر نے۔" زپاٹا

نے جھلا کر پوچھا۔

''ان کا کہنا ہے کہ انسپکٹر جمشید کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔''

''مطلب یہ کہ یہ میرے راستے میں قدم قدم پر روڑے اٹکا سکتے ہیں... لیکن یہ نہیں ہو سکتا...''

''کیا نہیں ہو سکتا۔''

''میں پوری طرح آزاد رہ کر یہاں گھوموں گا... پھروں گا۔''

''تب پھر آپ کے بارے میں یہ بات کیوں مشہور ہے کہ آپ کے خلاف آج تک کوئی بات بھی ثابت نہیں کر سکا... کوئی ثابت کرے بھی کیسے... آپ کسی کو کرنے کے قابل چھوڑیں تب نا۔''

''اچھا تو یہ بات ہے۔'' زپانا مسکرایا۔

''ہاں... یہی بات ہے۔''

''او کے... اب آپ پوری طرح آزاد ہیں... آپ میرے ساتھ سائے کی طرح رہنا چاہیں تو بھی رہ سکتے ہیں... جتنے فاصلے سے چاہیں میری نگرانی کر سکتے ہیں... اب آپ کو کوئی روک ٹوک نہیں... لیکن یہ بات ذہن میں بٹھا لیں... آپ پھر بھی میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں کر سکیں گے۔''

''یہی تو دیکھنا ہے۔'' انسپکٹر جمشید پرسکون آواز میں بولے۔

''شوکت ظفر صاحب... آپ انھیں نہیں روکیں گے... چاہے یہ کچھ بھی کریں۔''

''او کے سر... اب جب کہ آپ نے بھی یہ کہہ دیا اور صدر صاحب تو پہلے ہی کہہ چکے ہیں... لہٰذا میں کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کروں گا۔''

''بس ٹھیک ہے... آئیے انسپکٹر صاحب... تشریف رکھیے...''

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔''

''سیر کرنے... تفریح کرنے۔'' اس نے فوراً کہا۔

''ہمارے ملک کو کوئی نقصان پہنچانے تو نہیں آئے۔''

''ارے نہیں... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں انسپکٹر صاحب۔''

اس کا انداز مذاق اڑانے جیسا تھا۔

''اگر آپ نے میرے ملک کو کوئی نقصان پہنچایا تو یاد رکھیے... آپ یہاں سے جا نہیں سکیں گے۔''

''اچھی بات ہے آپ روک لیجیے گا... ویسے میں چاہتا تو آپ میری نگرانی نہ کر سکتے... میں ابھی انشارجہ کے صدر سے اس بارے میں بات کر سکتا تھا... لیکن میں نے سوچا... اس طرح مزہ کیا آئے گا... مزہ تو تب آئے گا... جب آپ ایڑی چوٹی کا زور لگا لیں گے اور کوئی بات بھی ثابت نہیں کر سکیں گے۔''

''اس کا مطلب ہے... آپ کسی جرم کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

''میں نے اگرچہ یہ نہیں کہا... لیکن آپ اپنے طور پر ایسا سمجھنا

چاہیں تو سمجھ سکتے ہیں۔"

"میں سمجھ گیا... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

اچانک انسپکٹر جمشید کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی... پھر انھوں نے بے تحاشہ باہر کی طرف دوڑ لگا دی...

☆☆☆☆

تہہ خانہ

"کیا میں نے غلط کہا۔" سب انسپکٹر اکرام مسکرایا۔

جواب میں ظفر تارا کی آواز نہ سنائی دی تو فاروق بولا۔

"کیا ہوا جناب! آپ یکا یک گونگے تو نہیں ہو گئے۔"

"یہ بہت بڑے چھپے رستم ہیں... میک اپ میں ہیں... لیکن میک اپ کے باوجود میں نے انھیں پہچان لیا ہے... ان کی انگلیوں کے نشانات اس بات کو ثابت کر دیں گے کہ یہ ماجو ہے..."

"اور یہ صاحب کرتے کیا رہے ہیں۔"

"ہمارے ملک میں انشارجہ کے لیے کام کرنے کے سلسلے میں یہ شخص بہت اہم ہے... انشارجہ کی ہدایات کے مطابق کام کرتا ہے... بہت چلتا پرزہ ہے... لیکن ہم آج تک اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں کر سکے... تاہم اس کی نگرانی بہت زبردست طریقے سے ہوتی رہی ہے... جب اس نے دیکھا کہ اب اس پر بہت زیادہ شک کیا جا رہا ہے تو یہ غائب ہو گیا... اور تلاش کے باوجود مل نہ سکا... اتنی مدت بعد میں آج

اسے یہاں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا... خود یہ بھی حیرت زدہ ہے۔'' اکرام یہ کہہ کر مسکرا دیا۔

'' آپ کہتے ہیں تو ہم بھی حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔'' فاروق بول اٹھا۔

'' آپ لوگ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کریں گے۔'' ماجو سانپ کی طرح پھنکارا۔

اب انھیں اس کے ہاتھ میں ایک خوفناک سا پستول نظر آیا...

'' لیجیے... انھوں نے تو خود ہی آپ کی بات درست ثابت کر دی۔'' محمود نے شوخ لہجے میں کہا۔

'' ہاں ہاں... میں ماجو ہوں... لیکن تم کسی کو یہ بات بتانے کے لیے زندہ نہیں رہو گے... چلو اس طرف۔'' وہ غرایا۔

وہ اس کے آگے آگے چلنے لگے... وہ ہوٹل نیو ہیون کی چھت سے نچلی منزل میں آ گئے...

'' سامنے کمرہ نظر آ رہا ہے... اس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو جاؤ۔''

'' جی اچھا۔'' فرزانہ نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

سب سے پہلے فرزانہ اندر داخل ہوئی... اسے کمرے میں ایک شخص نظر آیا۔ اس کی شکل اسے جانی پہچانی نظر آئی... اسی وقت محمود

اندر آ گیا...

'' خوش آمدید۔'' اندر موجود شخص کی آواز سنائی دی۔

جلد ہی سب اندر آ گئے...

'' ذرا دیکھنا فاروق... ہم نے ان صاحب کو کہاں دیکھا ہے۔''

وہ لگے اسے غور سے دیکھنے... لیکن یاد نہ آ سکا... ایسے میں خان رحمان نے کہا۔

'' یہ صاحب جانے پہچانے سے تو ضرور لگ رہے ہیں... لیکن دیکھا کہاں ہے، یہ یاد نہیں آ رہا۔''

'' غور کرو... میری الجھن بڑھ رہی ہے۔'' فرزانہ نے منہ بنایا۔

'' تو تم خود کیوں غور نہیں کرتیں۔''

'' میں غور کر چکی ہوں... لیکن یاد نہیں آ رہا کہ کہاں اور کب دیکھا ہے۔''

'' کہو تو میں یاد کرا دوں۔'' وہ شخص ہنسا۔

'' ہاں! آپ کی بڑی مہربانی۔''

ماجو دروازہ بند کر دو تاکہ میں ان لوگوں کو بتا سکوں کہ میں کون ہوں... اور خیال رہے... یہ کوئی حرکت نہ کرنے پائیں...

ماجو نے فوراً دروازہ بند کر دیا... اب اس شخص کے ہاتھ میں بھی پستول تھا... گویا وہ دو پستولوں کی زد میں تھے...

''تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو تا کہ میں اپنا تعارف کرا سکوں۔''

انھوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے...

''ماجو تم سے یہ کیا غلطی ہوئی... آج تمہاری وجہ سے ہم اس صورتِ حال سے دو چار ہیں... ورنہ ان لوگوں کو نہایت آسانی سے الو بنا دیتے... اور کسی کو کانوں کان پتا نہ چلتا... خیر کوئی بات نہیں... اب بھی کچھ نہیں بگڑا... بس ہمیں ان لوگوں کو بھی ٹھکانے لگانا ہے... تو یہ کیا مشکل ہے... کام شروع کرو... ایک ایک گولی ان کی کن پٹیوں میں پیوست کر دو۔''

''او کے سر... میں تو حیران تھا... یہ لوگ آخر یہاں تک پہنچ کیسے گئے...''

''اسی پر تو مجھے حیرت ہے سر... زیادہ سے زیادہ ان لوگوں کو ہوٹل ساباطا تک رہنا چاہیے تھا... اور بس... یہ یہاں کس طرح آ گئے۔''

''چھت کے راستے...'' فاروق نے فوراً کہا۔

''ہاں! ماجو کے بچے... میں نے کہا تھا... اس راستے کو بند کر دینا چاہیے... لیکن تم لوگوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی... میری ہدایات پر عمل کر لیتے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا... اب بھی شکر کرو کہ یہ ہمارے قبضے میں ہیں اور انھیں کوئی کام دکھانے کا موقع حاصل نہیں...''

''غلطی ہو گئی سر... معاف کر دیجیے۔'' ماجو کانپ گیا۔

''اگر تمہاری سابقہ خدمات نہ ہوتیں تو اس وقت تمہارے ساتھ

اور قسم کا سلوک ہوتا... ارے ہم... مگر... ان کا گرو نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''گرو... کیا مطلب؟''

''انسپکٹر جمشید... وہ تو ان کے ساتھ ہی نہیں تھا۔''

''اطلاع تو یہی ملی تھی... کیوں بھئی... تمہارے والد کہاں ہیں۔''

''تم لوگوں کی تاک میں... لیکن یہ کیا چکر ہے... ہم تو یہاں زپاٹا کے چکر میں آئے تھے... وہ تو ساتھ والے ہوٹل میں ہے... کیا تم اس کے ساتھی ہو۔''

''ہی ہی ہی... ہا ہا ہا...'' دونوں لگے ہنسنے۔

''تم دونوں کی یہ ہنسی سمجھ میں نہیں آئی۔'' اکرام نے منہ بنایا۔

''موقع اچھا ہے ماجو... انھیں جلد از جلد پار کر دو۔''

''دیکھو بھئی کہیں ہمیں پار کرتے کرتے خود نہ پار ہو جانا۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''میں ابھی تم لوگوں کو راستہ دکھا رہا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے ماجو نے فرش پر بچھے موٹے قالین کا کونا پکڑ کر الٹ دیا... کمرے کے اس کونے میں فرش پر چوکور ڈھکنا سا نظر آیا... وہیں فرش میں ایک بٹن تھا۔ اس کو دبایا گیا تو ڈھکنا سپرنگ کی طرح اچھلا اور نیچے سیڑھیاں جاتی نظر آئیں۔

''چلو نیچے اترو... اب یہی جگہ تمہاری قبر بنے گی۔''

''معاملہ کہیں اس کے الٹ نہ ہو جائے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ یہ جگہ ہماری قبر بنتے بنتے کہیں تم لوگوں کی قبر نہ بن جائے۔''

''نیچے اترتے ہی تم بولنا بھول جاؤ گے۔'' ماجو ہنسا۔

اور پھر انھیں پستولوں کی زد پر نیچے کی طرف لے جایا جانے لگا... جونہی ان کے قدم تہ خانے کے فرش پر آئے... اوپر والا دروازہ خود بخود بند ہو گیا...

انھوں نے دیکھا... وہ ایک بہت بڑا تہ خانہ تھا... اور اس میں سمگل شدہ چیزوں کے انبار لگے تھے...

''اس سے پہلے کہ تم ہماری قبر میں ہمیں اتارو... یہ تو بتا دو... آخر تم کون ہو... مسٹر زپاٹا سے تم لوگوں کا کیا تعلق ہے۔''

''کیا خیال ہے سر! انھیں بتا دیں۔'' ماجو نے دوسرے شخص کی طرف دیکھا۔

''نہیں... کوئی ضرورت نہیں... انھیں سسپنس کی حالت ہی میں موت کی نیند سلا دو... ان کے تابوت کون سے ہیں۔''

ماجو نے دیوار میں لگا ایک بٹن دبا دیا... تہ خانے کی دیوار میں ایک دروازہ فوراً نمودار ہوا اور دس ہٹے کٹے نوجوان نمودار ہوئے۔

''کیا حکم ہے سر۔''

''ان لوگوں کو دفن کرنا ہے۔''

''تابوت تیار ہیں سر... ہمارا کام ہی کیا ہے۔'' ان میں سے ایک نے ہنس کر کہا۔

''کیا مطلب؟'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''یہ کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں سر۔'' اس نے پوچھا۔

''تم نے کہا ہے نا... ہمارا کام ہی کیا ہے... یہ اس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں۔''

''لیکن سر! اس بات کا مطلب تو بالکل واضح ہے... یعنی ہم تو دن رات ایسے ہی کام کرتے رہتے ہیں۔''

ایسے میں تہ خانے میں گھنٹی کی آواز سنائی دی... ساتھ ہی دیوار میں لگا ایک سرخ بلب جلنے بجھنے لگا...

''لیجیے... جس کام کے لیے آپ آئے تھے... اس کا ایک حصہ مکمل ہو گیا ہے۔''

''بہت خوب! یہ ہوئی نا بات... لے آؤ اسے بھی میرے سامنے ہی دفن کرا دو... تاکہ میں جا کر رپورٹ دے دوں... یہ کام میری آنکھوں کے سامنے ہو گیا۔''

''جی بہتر۔'' ماجو نے جیب سے موبائل نکال کر اس پر نمبر ملائے اور بولا:

''اسے یہیں تہہ خانے میں لے آؤ۔''

دوسری طرف کا جواب سن کر اس نے فون بند کر دیا۔

''یہ کن صاحب کو لایا جا رہا ہے...''

''انشارجہ کی آنکھ میں کھٹکنے والے ایک شخص کو... اس کے بارے میں ہدایات ہیں کہ اسے زمین کے نیچے پہنچا دیا جائے۔''

''اور آپ اسی کام کے لیے آئے تھے... میرا مطلب ہے انشارجہ سے...''

''ہاں!'' اس نے کہا۔

''لیکن وہاں سے آئے تو تھے مسٹر زپاٹا۔''

''ہی ہی... ہاہاہا...'' وہ دونوں ایک بار پھر ہنسنے لگے... اسی وقت تہ خانے کا دروازہ کھلا اور ایک شریف صورت ادھیڑ عمر آدمی کو چار آدمی اٹھائے آتے نظر آئے... اسے رسیوں سے بری طرح باندھا گیا تھا... اس کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار تھے... پھر جونہی انھوں نے اسے فرش پر ماجو اور دوسرے شخص کے قدموں میں گرایا... اور ان کی نظریں اس کے چہرے پر پڑیں... وہ بہت زور سے اچھلے۔

☆☆☆☆

ہی ہی...... ہاہاہا......

وہ ان کے ملک کے ایک بہت بڑے سائنس دان تھے۔ انھوں نے ملک کی تعمیر اور ترقی میں اس قدر نمایاں کردار ادا کیا تھا کہ پروفیسر داؤد جیسے لوگ بھی ان کا لوہا مانتے تھے اور ان کے دل سے قدر دان تھے۔

''اُف میرے اللہ! یہ... یہ تو ڈاکٹر عبدالقادر ہیں۔'' پروفیسر داؤد نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

''ہاں! یہ ڈاکٹر عبدالقادر ہیں... ہمیں حکم ملا ہے... انھیں ختم کر دیا جائے۔''

''نن... نہیں۔'' وہ ایک ساتھ چلائے۔

''اور انھیں ختم کرنے کے بعد ہم باعزت طریقے سے اس ملک سے چلے جائیں گے... آپ کی حکومت ہمیں وی آئی پی شخصیت کے طور پر اپنے ملک سے رخصت کرے گی... کیوں کیسی رہی۔''

''تب پھر زپاٹا کیا کرنے آیا ہے... یہ کام تو تم کر رہے

ہو۔'' خان رحمان نے جل کر کہا۔

''ہی ہی ہی... ہاہاہا...'' وہ پھر ہنسے، ساتھ ہی اس شخص نے کہا۔

''اسے میری آنکھوں کے سامنے ذبح کر دو۔''

اٹھا کر لانے والوں میں سے ایک نے اپنی پنڈلی میں اڑسا ہوا خنجر نکال لیا اور وحشیانہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے ڈاکٹر عبدالقادر کی طرف بڑھا...

''نہیں... نہیں...'' محمود، فاروق اور فرزانہ ایک ساتھ چلائے اور اس کے راستے میں آ گئے۔

''تو تم مجھے روکو گے...'' وہ ہنسا۔

''ہاں جو بھی ڈاکٹر کی طرف بڑھا... ہم اسے روکیں گے... چاہے ہمیں اپنی جان دینا پڑے۔''

''تب پھر پہلے تم جاؤ...'' اس نے یہ کہتے ہی خنجر گھما دیا... تینوں یک دم جھکائی دے گئے۔ نہ صرف جھکائی دے گئے بلکہ محمود نے تو اپنی لات بھی اس کی طرف گھما دی... لات اس کی پنڈلی پر پوری قوت سے لگی... وہ اچھل کر گرا... یہ دیکھ کر دوسرے نے خنجر نکال لیا... اور ان کی طرف بڑھا... گویا اب وہ ڈاکٹر عبدالقادر کو بھول گئے تھے...

پھر تو یک دم کئی چاقو کھلنے کی آواز گونج گئی...

''مار ڈالو انہیں... گھیر لو...''

آٹھ نو افراد ان تینوں کے چاروں طرف ہو گئے... اب وہ ان کے درمیان میں تھے... ایسے میں پروفیسر داؤد بولے۔

''نہیں بھئی... نہیں... بری بات۔''

''ہاں اور کیا... بھلا اس سے بری بات کیا ہو سکتی ہے۔'' خان رحمان بھی بولے۔

''جی... کیا مطلب... آپ ہم سے مخاطب ہیں یا ان سے۔''

''بری بات ان کی طرف سے ہو رہی ہے... نہ کہ تمہاری طرف سے... لہٰذا ہم نے ان سے کہا ہے۔''

''تو پوری بات کہیں نا۔'' محمود بولا۔

''یہ لو پوری بات۔'' ان الفاظ کے ساتھ ہی پروفیسر داؤد نے کوئی چیز ان کی طرف اچھال دی...

اس کے پھٹنے سے پہلے ہی وہ تینوں آنکھیں بند کر چکے تھے... بلکہ خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی آنکھیں بند کر چکے تھے... ایک دھماکا ہوا... بجلی سی چمکی اور ان سب کے ہاتھ اپنی آنکھوں کی طرف اٹھ گئے... وہ بری طرح چیخے بھی تھے...

''اف... ہماری آنکھیں۔''

محمود نے ایک چھلانگ لگائی اور اس شخص کے ہاتھ سے پستول چھین لیا... ادھر خان رحمان اپنا پستول نکال چکے تھے... چنانچہ وہ

بولے:

''اس سے پہلے کہ تم دیکھنے کے قابل ہو سکو... اپنے ہاتھ اٹھا دو۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی خان رحمان نے ایک فائر کر دیا... ان میں سے ایک کے منہ سے دل دوز چیخ نکل گئی... اس کے ہاتھ آنکھوں سے ہٹ گئے اور پنڈلی پر جم گئے... وہاں سے خون تیزی سے ابل رہا تھا۔

''یہ... یہ کیا... آپ نے پہلے ہی فائر کر دیا...'' محمود نے حیران ہو کر کہا۔

''انھیں بتانا ضروری تھا کہ اگر یہ کوئی غلط حرکت کریں گے تو گولی پنڈلی کے بجائے سر میں لگے گی۔''

ان کے ہاتھ اٹھ گئے۔

''مزہ آگیا... محمود، فاروق، فرزانہ اور اکرام... سب مل کر انھیں باندھ لو...''

''نیکی اور پوچھ پوچھ۔'' فاروق ہنسا۔

وہ لگے انھیں باندھنے... سب کو باندھ چکے تو وہ بھی آنکھیں کھولنے کے قابل ہو گئے... اب وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان سب کو دیکھ رہے تھے۔

''لو دوستو... تم اس جگہ کو ہماری قبر قرار دے رہے تھے...

ہو گیا اس کے اُلٹ... اب یہاں تم لوگوں کی قبریں بنیں گی۔'' محمود نے ہانک لگائی۔

''ارے نہیں... ہم ایسا کیوں کریں گے... اور ہاں... سب سے پہلے تو ڈاکٹر عبدالقادر کو کھولنا چاہیے... انھوں نے کس بری طرح جکڑا ہے انھیں۔''

انھوں نے فوراً انھیں کھول دیا... ان کے ہونٹوں پر ٹیپ بھی چپکائی ہوئی تھی... اس کو بھی اتار دیا گیا... اس وقت انھوں نے کہا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے... میں تو سمجھ رہا تھا... بس موت آگئی... ویسے یہ کون لوگ ہیں۔''

''یہ میں بتاؤں گا۔''

تہہ خانے میں انسپکٹر جمشید کی آواز گونج اٹھی۔ وہ ان کی طرف مڑے... ان کے چہرے پر ایک بہت جان دار مسکراہٹ تھی اور وہ سیڑھیاں اتر رہے تھے... جلد ہی وہ ان کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

''بہت خوب! تم نے تو کھیل ہی ختم کر دیا۔''

''جی نہیں! یہ سب اللہ کی مہربانی ہے... یہ ہمارا کھیل ختم کرنے پر تلے تھے... کر دیا اللہ نے ان کا کھیل ختم... اور کھیل بھی اس طرح ختم ہوا کہ جیسے کہہ دیتے ہیں نا... چٹ منگنی پٹ بیاہ۔'' فاروق کی شوخ آواز گونج اٹھی... سب کے چہروں پر مسکراہٹیں دوڑ گئیں۔

''تو اس مرتبہ مسٹر زپانا کی ہمارے ملک میں آمد ڈاکٹر عبدالقادر

کے سلسلے میں تھی۔'' پروفیسر داؤد بولے۔

''جی نہیں... یہ کام تو ان لوگوں نے لگے ہاتھوں کر ڈالا ہے.. زپاٹا اس سے بھی زیادہ خاص مشن پر آیا ہے۔''

''اور وہ کیا؟'' کئی آوازیں ابھریں۔

''یہ مسٹر زپاٹا کے منہ ہی سے کیوں نہ سنیں۔''

''لل... لیکن وہ تو دوسرے ہوٹل میں ہے۔''

''ہی ہی ہی... ہاہاہا۔'' انسپکٹر جمشید عجیب سے مصنوعی انداز میں ہنسے۔

''یہ کیا بات ہوئی... آپ تو بالکل ان کے انداز میں ہنسے ہیں۔'' محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں... یہی بات ہے۔''

''لیکن آپ تو یہاں تھے ہی نہیں...''

''نہیں میں یہیں تھا... ایک طرف چھپ کر ان کی ساری کارروائی دیکھ رہا تھا... ضرورت محسوس کرتا تو دخل دیتا... لیکن آپ لوگوں نے ضرورت محسوس ہی نہیں ہونے دی۔''

''چلیے... یہ اچھا ہی ہوا... آپ ضرورت محسوس کرنے سے بال بال بچے۔''

''لیکن آپ ان کے انداز میں کیوں ہنسے۔''

''جب بھی مسٹر زپاٹا کا ذکر آیا... یہ اسی انداز میں ہنسے... اس

مرتبہ نہیں ہنس سکے... لہٰذا ان کی بجائے میں ہنس دیا۔''

''اس میں ضرور کوئی بات ہے... اور اس کی وضاحت آپ ہی کریں گے۔'' اکرام نے خیال ظاہر کیا۔

''ہاں! کیوں نہیں۔'' انھوں نے کہا، پھر بلند آواز میں بولے۔

''لے آؤ بھئی اسے بھی یہیں۔''

''جی... کیا فرمایا... لے بھئی اسے بھی یہیں۔''

اور پھر انھوں نے سیڑھیوں سے زپاٹا کو اترتے دیکھا... اس کے پیچھے اکرام کے ماتحت تھے۔

''ہاں! اب آئے ہیں مسٹر زپاٹا...''

''ہاں تو مسٹر زپاٹا... آپ اس مرتبہ ہمارے ملک میں کس مشن پر آئے ہیں۔''

''کسی مشن پر نہیں آیا... میں تو بس سیر کرنے کے لیے آیا ہوں۔''

''خیر نہ بتائیں... اب آپ لوگ یہ کہہ کر بچ تو سکیں گے نہیں کہ آپ سیر کرنے کے لیے آئے ہیں... کیونکہ یہاں ڈاکٹر عبدالقادر بھی موجود ہیں... انھیں یہاں اغوا کر کے لایا گیا ہے... اور قتل کرنے کا پروگرام تھا... یہ سب باتیں ریکارڈ ہو چکی ہیں... ان کی وڈیو بھی بن چکی ہے... اور پھر...'' وہ کہتے کہتے رک گئے۔

''اور پھر وہ کیا؟'' کئی آوازیں ابھریں۔

''اور پھر... یہاں تو اخباری نمائندے بھی موجود ہیں.. انھوں نے یہ سب مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔''

''آخر آپ نے اس قدر جلد یہ سب انتظامات کیسے کر لیے؟'' محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اکرام اور اس کے ماتحت تو پہلے ہی آچکے تھے... ضرورت محسوس کرتے ہی میں نے اپنے صحافی دوست کرائم رپورٹر انور کو کال کر دیا کہ اخباری نمائندوں کی بھی ضرورت ہوگی... اور میں ان کے انتظار میں باہر ہی رک گیا تھا... وہ دیکھ لیں... سیڑھیوں پر سب لوگ موجود ہیں... اور آگے آنے کے لیے بری طرح بے تاب ہیں۔''

''ہوں... تب پھر ان بے چاروں کو بھی آ جانے دیں... ہمارا کیا جاتا ہے۔''

''ہاں! کیوں نہیں... ان حضرات کو خاص طور پر اس لیے بھی بلایا گیا ہے کہ زپاٹا کے بارے میں مشہور ہے... آج تک کوئی اس کا کوئی جرم ثابت نہیں کر سکا... نہ کبھی یہ صاحب گرفتار ہوئے... دراصل اس کی ایک خاص وجہ ہے۔''

''خاص وجہ...'' کئی آوازیں ابھریں۔

''ہاں! خاص وجہ... یہ ہے کہ اصلی زپاٹا تو سامنے آتا ہی نہیں... وہ پسِ پردہ رہ کر اپنا کام کرتا ہے... اور نقلی زپاٹا سامنے ہوتا ہے... لوگ اسی کو زپاٹا خیال کرتے ہیں... اسی کی نگرانی کرتے رہتے

ہیں... لیکن جب وہ کچھ کرے گا ہی نہیں تو گرفتار کیسے ہوگا... وہ تو ہوتا ہی نقلی زپاٹا ہے... اصلی زپاٹا کے بارے میں لوگوں کو معلوم تک نہیں ہوتا... سب کی توجہ نقلی کی طرف ہوتی ہے... یہ ہے اصل کہانی... اگر بات اب بھی سمجھ میں نہیں آئی... تو پھر میں کھول کر بیان کرتا ہوں... یہ جسے ہم اب تک زپاٹا خیال کرتے رہے ہیں اور جو ہوٹل ساباط میں آ کر ٹھہرا تھا... دراصل وہ زپاٹا ہے ہی نہیں۔''

''کیا!!!'' ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے ایک ساتھ نکلا۔

☆☆☆☆

وقت بچ جائے گا

چند لمحے خاموشی کے عالم میں گزر گئے... آخر خان رحمان نے کہا۔

''یہ تم نے کیا کہا جمشید... یہ اصلی زپاٹا نہیں ہے... لیکن یہ تو انشارجہ سے ہی زپاٹا کی حیثیت سے یہاں تک آیا ہے...''

''بالکل یہی بات ہے... انھوں نے اسی کو اصلی زپاٹا کے طور پر آگے کیا ہوا ہے... لیکن اصلی زپاٹا دراصل اور ہے... اور ہر ملک میں جو کام بھی اسے سونپا جاتا ہے... دراصل وہی وہ کام کرتا ہے... اس طرح لوگ کہتے ہیں... زپاٹا کچھ بھی نہیں کرتا... کوئی اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کر پاتا... لیکن وہ اپنا کام کر کے نکل جاتا ہے... اور ہم دیکھتے رہ جاتے ہیں... اس کے چلے جانے کے بعد بھی ہم یہ بات ثابت نہیں کر پاتے کہ یہ کام زپاٹا کر گیا ہے...''

''اوہ... اوہ... تو پھر اصلی زپاٹا کون ہے۔''

''یہ شخص... جس سے ہماری ملاقات ہوٹل نیو ہیون میں

ہوئی... دراصل یہ دونوں ہوٹل انشارجہ کی سیکرٹ سروس کے اہلکاروں کے ہیں... یہاں کی انتظامیہ بھی انھی کے ہاتھوں میں ہے... ان کے بارے میں نے کچھ عرصہ پہلے اطلاعات جمع کی تھیں... جو آج کام آگئی ہیں۔''

''آپ کا مطلب... ہمارے سامنے یہ جو دوسرے صاحب ہیں... جنھوں نے ڈاکٹر عبدالقادر صاحب کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا... وہ اصلی زپاٹا ہیں۔''

''ہاں! میں یہی کہنا چاہتا ہوں... دونوں ایک ہی جہاز میں آئے ہیں... انھیں معلوم تھا... جو کچھ بھی کارروائی ہوگی... وہ تو نقلی زپاٹا کے خلاف ہوگی... اصلی کو تو کوئی پوچھے گا ہی نہیں... اور نقلی کے خلاف کارروائی سے اس کا کچھ بگڑے گا نہیں... کیونکہ نہ وہ کچھ کرے گا، نہ اس کے خلاف کچھ ثابت ہو سکے گا... لہٰذا دونوں زپاٹے خیروعافیت سے اپنے ملک کو واپس سدھار جائیں گے اور ہم سر پٹختے رہ جائیں گے... یہ تھا منصوبہ... بلکہ تھا کیا... کسی بھی ملک میں جب بھی کوئی کارروائی کرنے کے لیے مسٹر زپاٹا جاتے ہیں... نقلی زپاٹا ان کے ساتھ جاتے ہیں... مطلب یہ کہ ان کا طریقہ واردات یہی ہے۔''

''لیکن ابا جان! آپ نے یہ بات کس طرح معلوم کر لی...''

''تم لوگوں کو یہاں چھوڑ کر میں ہوٹل ساباط چلا گیا

تھا... کیونکہ اس وقت ہم سب کا خیال زپاٹا کے بارے میں یہ تھا کہ وہ زپاٹا ہے... میں نے وہاں پہنچ کر کوشش کی کہ ڈی ایس پی شوکت ظفر صاحب میرے اور زپاٹا کے درمیان سے ہٹ جائیں... تاکہ میں ان کی نگرانی آسانی سے کرسکوں... لیکن وہ درمیان سے ہٹنے پر کسی طرح تیار نہیں تھے۔ آخر میں نے اپنا اجازت نامہ دکھایا، تب کہیں جا کر ڈی ایس پی صاحب درمیان سے ہٹے اور میں زپاٹا کے کمرے میں پہنچ گیا... اس سے بات کی ہی تھی کہ اس کے چہرے پر میری نظر پڑی... اس وقت اچانک میں نے محسوس کیا کہ یہ شخص اصلی زپاٹا نہیں ہے۔''

''کیا مطلب... آپ نے آخر میں یہ بات کس طرح محسوس کر لی۔''

''میں نے دیکھا... اس چہرے پر بظاہر غصہ تھا، لیکن اندر سے چہرہ مجھ پر ہنس رہا تھا... میرا مذاق اڑا رہا تھا... یہ دیکھتے ہی میں بری طرح چونک اٹھا... میں نے جان لیا کہ یہ شخص اصلی زپاٹا نہیں ہے... اب ظاہر ہے... اصلی زپاٹا اس طرف ہوسکتا تھا... جہاں تم لوگ الجھے ہوئے تھے... میں نے اپنے خیال کے مطابق نقلی زپاٹا کو وہیں چھوڑا اور اس طرف دوڑ پڑا... لیکن یہاں اس وقت تم لوگوں کو پستول کے زد پر اندر لے جایا جا رہا تھا... میں نے فوراً خفیہ کارکنوں کو فون کر دیا۔ انھیں ہدایات دے دیں... اور خود ایک طرف چھپ کر سب کچھ دیکھتا رہا۔''

''چلیے یہ تو سب ہوا... سوال یہ ہے کہ یہ صاحب ہیں کون... جو نقلی زپاٹا کے ساتھ ہی آئے ہیں... یعنی اصلی زپاٹا کون ہے۔''

''حیرت ہے... تم ابھی تک نہیں پہچان سکے... حالانکہ ائیرپورٹ پر ملاقات ہو چکی ہے...'' وہ مسکرائے۔

''جی... کیا مطلب؟'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''ان صاحب نے یہاں آ کر اپنا حلیہ تبدیل کر لیا ہے... تاکہ اگر کہیں کوئی غلطی ہو جائے تو بھی کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ اس شخص کا کام ہے جو زپاٹا کے ساتھ آیا تھا...''

''آخر یہ کون ہے۔''

''اسے غور سے دیکھو۔'' وہ بولے۔

''جی اچھا... آپ کہتے ہیں تو دیکھ لیتے ہیں غور سے بھی... ویسے ایک بات رہ گئی۔ یہ ہمارے ملک میں کرنے کیا آئے ہیں۔''

''ان کے کام تو بس اسی قسم کے ہیں... جیسے یہ ابھی ابھی ڈاکٹر صاحب کو ہلاک کرنے والے تھے... اللہ تعالیٰ نے انھیں بچا لیا... یہ کیا ہدایات لے کر آئے ہیں... یہ تو یہی بتا سکیں گے... میں تو اس صورت میں بتانے کے قابل ہوسکتا تھا جب یہ اس کیس پر کام شروع کرتے اور میں ان کی نگرانی کر رہا ہوتا... لیکن یہ تو شروع ہی میں قابو آگئے

ہیں... اصل کیس پر تو یہ کام شروع بھی نہیں کر پائے... خیر اس مرتبہ دنیا کے اخبارات میں یہ خبریں دھوم دھام سے شائع ہوں گی کہ وہ جو ایک شخص زپاٹا نام کا دنیا میں مشہور ہے اور جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آج تک کوئی ملک اس پر کوئی جرم ثابت نہیں کر سکا... اور وہ اپنا کام بھی ہر مرتبہ پورا کر کے جاتا ہے... لیکن اس مرتبہ انسپکٹر جمشید کے ملک میں آ کر وہ پھنس گیا... جرم کرنے سے پہلے ہی اسے دھر لیا گیا... ویسے مسٹر ایوائیو اس بار تم کیا پروگرام لے کر یہاں آئے تھے بھلا؟'' انسپکٹر جمشید شوخ لہجے میں کہتے کہتے اچانک رک گئے۔

''کیا... کیا کہا آپ نے ایوائیوا۔'' سب حیرت زدہ انداز میں پکار اٹھے۔

''ہاں ایوائیوا... جو زپاٹا کے ساتھ ہی... آیا ہے... اس سے پہلے جہاز سے اترا تھا اور ہماری اس سے ملاقات ہوئی تھی... اس کا میک اپ اگر اتار دیا جائے تو یہ صاف ستھرا ایوائیوا نظر آنے لگے گا... اور جس شخص کو ہم اب تک زپاٹا خیال کرتے رہے ہیں... وہ تو دراصل اس کا ایک معمولی سا کارندہ ہے... وہ تو اس لیے ساتھ آتا ہے کہ اس ملک کی ایجنسیاں اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی رہیں... بس اسی کی نگرانی کرتی رہیں اور اصلی زپاٹا بے فکری سے اپنا کام کرتا رہے... کیوں ہے نا زبردست پلاننگ... لیکن ان بے چاروں کو معلوم نہیں تھا کہ ہمارا معاملہ ذرا الٹ ہے... ہم عام پولیس والوں یا محکمہ

سراغرسانی والوں کے طرز پر تو کام کرتے نہیں... ہمارا کام کرنے کا تو اپنا ایک انداز ہے۔ ہم تو نہ رات دیکھتے ہیں نہ دن... نہ بھوک دیکھتے ہیں نہ پیاس... ڈیوٹی کے اوقات تو ہمارے ہاں ہیں ہی نہیں... ویسے مسٹر ایوائیوا... اب آپ اگر یہ بھی بتا دیں کہ کیا منصوبہ لے کر آئے تھے تو ہمارا بہت سا وقت بچ جائے گا۔''

''کیا مطلب... وقت بچ جائے گا۔''

''ہاں... یہ بات اگلوانے کے لیے ہمیں آپ کو اپنے کمرۂ امتحان میں لے جانا پڑے گا... وہاں آپ کو مشینوں میں جکڑا جائے گا... تب کہیں جا کر آپ اگلیں گے کہ آپ کیوں تشریف لائے تھے۔''

''نہیں... آپ مجھ سے نہیں اگلوا سکیں گے... اور میرے ساتھی کو تو معلوم بھی نہیں ہے کہ میں کیا پروگرام لے کر آیا ہوں۔''

''تو آپ نہیں بتائیں گے۔''

''نہیں...''

''اگر نہیں تو پھر آپ ذرا جوتے اتار دیں۔''

''کیا کہا... جوتے اتار دوں...'' زپاٹا حیران ہو کر بولا۔

''ہاں... جوتے اتار دو۔'' وہ سرد لہجے میں بولے۔

''میرے جوتوں کی کیا ضرورت پڑ گئی۔''

''دراصل میں نے کئی بار تمہیں اپنے جوتوں کی طرف ہاتھ لے جاتے دیکھا ہے... اس بنیاد پر میں نے سوچا... کیوں نہ ذرا تمہارے

جوتوں کا معائنہ کرلیا جائے... اکرام اس کے جوتے اتار لو۔''

اکرام کے آدمیوں نے اسے جکڑ لیا... اور جوتے اتار لیے... انسپکٹر جمشید نے اس کی ایڑیوں وغیرہ کا جائزہ لیا... اور پھر جوتے کے تلے میں سے چند کاغذات نکل آئے...

جونہی انھوں نے وہ کاغذات کھولے اور پڑھے چونک اُٹھے۔

''اوہو...... کس قدر دوغلے ہیں یہ لوگ...... یعنی ایک طرف تو ان کے وزیر خارجہ ابھی دو دن پہلے ہمارے صدر صاحب کو دھونس دے کر گئے ہیں کہ اگر صدر صاحب نے انشارجہ مخالف جنگجوؤں کے خلاف کارروائی تیز نہ کی اور ان کی سرگرمیوں کو...... خفیہ اڈوں اور خودکش حملوں کو نہ روکا تو انہیں اقتدار سے ہٹا دیا جائے گا اور دوسری طرف محترم زپاٹا کو یہاں بھیجا گیا کہ وہ انہی جنگجوؤں کو جدید ترین اسلحہ اور ڈالر پہنچانے کا انتظام کریں...... نہ صرف یہ بلکہ...... آئندہ خودکش حملے کہاں کہاں کرنے ہیں...... ان کی بھی طویل فہرست ان کاغذات میں موجود ہے...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ گروپ اور نام نہاد جہادی تنظیمیں جو انشارجہ کے خلاف دشمن نظر آتے ہیں وہ اندرونِ خانہ انشارجہ کے ہی ایجنٹ ہیں...... یہی حکمت عملی انشارجہ بیس برس قبل مڈل ایسٹ کے دو ملکوں کے درمیان پانچ سالہ جنگ کے دوران بھی اختیار کر چکا ہے۔ یعنی ایک طرف تو دہشت گرد تنظیموں کو اسلحہ فروخت کرتا ہے اور پھر ہماری حکومت کو

بھی مجبور کرتا ہے کہ وہ دہشت گردوں سے مقابلے کیلئے انشارجہ سے جنگی ساز و سامان خریدے...... اس طرح انشارجہ کی اسلحہ ساز صنعت اور انشارجہ کی معیشت کو فائدہ ہوتا ہے اور وہ ترقی کرتی ہے جبکہ ہمارا ملک اسلحہ خرید خرید کر غریب سے غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ وہ رقم جو ہمارے لوگوں کی تعلیم، صحت اور ترقی پر خرچ ہونی چاہیے وہ اسلحہ خریدنے میں برباد ہو جاتی ہے...... تو یہ ہے وہ سازش جس کے ایک حصے پر عملدرآمد کیلئے زپاٹا یہاں آیا تھا...... لیکن پکڑا گیا......''

ان کے خاموش ہونے پر جب کوئی کچھ نہ بولا...... تو فاروق نے کہا:

''آپ کا مطلب ہے... آپ اپنا پورا کیس سب کو سنا چکے ہیں اور اب ہمیں گھر چلنا چاہیے...''

''ہاں! ہم اپنے گھر چلیں گے اور زپاٹا نمبر 1 اور نمبر 2 سرکاری گھر جائیں گے... چلو اکرام لے چلو انھیں۔''

وہ انھیں لیے اوپر آئے... سامنے سے ڈی ایس پی شوکت ظفر صاحب چلے آ رہے تھے... انھوں نے جو زپاٹا نمبر 2 کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھیں تو چلا اٹھے:

''یہ... یہ کیا... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔''

''جو آپ کو نظر آ رہا ہے۔'' فاروق نے جلدی سے کہا۔

انھوں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا اور وہ

سب مسکرانے لگے... انسپکٹر جمشید انھیں تفصیل سنانے لگے۔

☆☆

دوسرے روز وہ اپنے گھر میں شام کی چائے پی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی......

انسپکٹر جمشید نے فون اٹھایا...... تھوڑی دیر خاموش اور سکون سے دوسری طرف کی بات سننے لگے اور پھر بغیر کچھ کہے فون رکھ دیا......

''کیا ہوا...... کون تھا......'' بیگم جمشید نے پوچھا۔

''کوئی دھمکی دے رہا تھا کہ ہم یہ نہ سمجھیں کہ ایک زپاٹا کو پکڑنے سے انشارجہ کا پورا ماسٹر پلان فیل ہو جائے گا...... اس سازش کی جڑیں بہت گہری اور دور تک پھیلی ہوئی ہیں...... بہت جلد ملک میں دہشت گردی اور خودکش حملوں کی اور بھی وارداتیں ہوں گی......'' یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔ ان کے چہرے پر فکر اور پریشانی کے آثار تھے۔

''تو پھر کیا ہوا...... آپ اتنے پریشان کیوں نظر آنے لگے......'' فاروق بولا۔

''میں تو بس یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ کیا ہم کسی پر بھی بھروسا کرنے کے قابل نہیں رہ گئے کیا...... جن تنظیموں کو ہم انشارجہ کا بدترین دشمن سمجھتے تھے...... زپاٹا والے اس کیس نے تو ان کی حقیقت بھی کھول کر رکھ دی...... جن کی تلاش اور زندہ یا مردہ گرفتاری کے نام پر انشارجہ نے دو ملکوں پر حملہ کر دیا...... آخر وہ بھی انشارجہ کے ایجنٹ نکلے......

انسپکٹر جمشید سر جھکائے بیٹھے تھے اور وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کمرے کی فضا بوجھل ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆